# ابتدا تیرے نام سے

رعونتوں میں نہ اتنی بھی انتہا ہو جائے
کہ آدمی نہ رہے آدمی ، خدا ہو جائے
گھرے ہوئے ہیں عجب عہدِ بے یقینی میں
خبر نہیں کہ کہاں کس کے ساتھ کیا ہو جائے

قارئین کرام ! اللہ کرے آپ سب اپنے متعلقین سمیت بخیر و عافیت ہوں ۔ گزشتہ ماہ ملکی حالات بے حد کشیدہ رہے ۔ جب تک میموکیس کا معاملہ خوش اسلوبی سے طے نہیں ہو جاتا ، ملکی اداروں کے درمیان کشمکش اور اس کے نتیجے میں بے یقینی کی کیفیت ختم نہ ہوگی ۔ صورتحال کے بہتر نتیجے کی امید رکھنی چاہیے ۔ بقول نجیب احمد:

کیا سادہ ہیں ہر اک لمحہ جاں مہکائے رہتے ہیں
پت جھڑ میں بھی ہم خوشبو کی آس لگائے رہتے ہیں
گھر میں چلتی ہی رہتی ہیں سرد ہوائیں ظلمت کی
اِک شمعِ امکان ہمیشہ ہم بھی جلائے رہتے ہیں

پشاور میں پولیس چوکی پر پھر ایک خودکش حملہ ہوا ہے جس میں کئی ہلاکتیں ہوئی ہیں ۔ اگرچہ نیٹو سے تعاون ختم ہونے کے بعد دہشت گردی کی کارروائیاں نہ ہونے کے برابر رہ گئی ہیں ۔ حالیہ واقعہ بھی جنگجو گروہوں کی باہم مخاصمانہ کارروائی پر مبنی بتایا گیا ہے ۔

ملک کا سیاسی منظر نامہ خاصا گرم رہا ۔ جماعت اسلامی اور تحریک انصاف کے لاہور اور کراچی جلسے میڈیا اور عوام کی دلچسپی کا مرکز رہے ۔ جمعیت علمائے اسلام اور ایم کیو ایم بھی جلسے اور ریلیاں کرتی نظر آئیں ۔ پیپلز پارٹی اور ن لیگ بھی عوام سے رابطہ بحال کرنے کی کوششوں میں رہیں ۔ یوسف رضا گیلانی سب سے زیادہ مدت تک وزیراعظم رہنے کے اعزاز پر خوش ہیں ۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ وہ حکومت جو اپنے وجود کے جواز پر سب سے بڑے سوالیہ نشان کی حامل ہے ، اپنی جمہوری مدت پوری کرنے کی طرف رواں دواں ہے ۔ اگرچہ پاکستان میں انتخابات کے نتیجے میں قائم ہونے والی حکومتوں کا جواز ہمیشہ ہی بحث طلب رہا ہے مگر جمہوریت کی یہ ٹوٹی پھوٹی گاڑی ہی بھلی کہ اس کا چلتے رہنا امید کی واحد کرن ہے ۔ جمہوری لیڈر جیسا بھی ہو آخر کار عوامی رائے کی کسوٹی کی زد میں آجاتا ہے اور جلد یا بدیر اسے عوامی عدالت کا سامنا کرنا پڑتا ہے ۔ مشہور قول ہے کہ آپ کچھ لوگوں کو ہمیشہ اور سب لوگوں کو کچھ عرصہ بے وقوف بنا سکتے ہیں ، مگر آپ سب لوگوں کو ہمیشہ بے وقوف نہیں بنا سکتے ۔ جمہوری حکومتوں کا تسلسل اسی مقولے کی سچائی کو ثابت کرتا ہے ۔ آج جبکہ زرداری صاحب اقتدار کے چار سال پورے کر چکے ہیں تو عوامی جلسوں میں ان کا یہ کہنا کہ پانچ سال اور مل جائیں تو ملک کی تقدیر بدل کر رکھ دیں گے ، عوام کے لئے کیا اہمیت رکھتا ہے ، جو پچھلے چار برس سے ان کے ہاتھوں میں دی ہوئی اپنی تقدیر بھگت رہے ہیں؟

لاہور میں واقع پنجاب انسٹی ٹیوٹ آف کارڈیالوجی امراضِ دل کے علاج کے لئے بے حد شہرت رکھتا ہے۔اس کی فراہم کردہ ادویہ کے نتیجے میں سو کے قریب ہلاکتیں ایک بڑا سانحہ ہے۔ جانی نقصان الگ اور اس حکومتی ادارے کی ساکھ کو پہنچنے والا نقصان الگ۔ واقعے کی غیر جانبدارانہ تحقیقات ہونا بے حد ضروری ہے تاکہ آئندہ ایسے قبیح جرائم کی روک تھام ہو سکے۔ دواؤں میں ملاوٹ قبیح ترین جرائم کی بھی انتہائی گری ہوئی قسم ہے۔اور دوائیں بھی وہ انتخاب کی گئیں جو دل کے امراض جیسے نازک معاملے سے منسلک تھیں۔ یہ واقعہ بحیثیت مجموعی ہماری روبہ زوال معاشرتی اقدار کا آئندار ہے۔

لاہور ہی کے ایک نجی کالج سے تعلق رکھنے والی چار طالبات کی جان ایک مشہور گلوکار سے عقیدت کی نذر ہوگئی۔کنسرٹ کے اختتام پر گلوکار سے اظہار عقیدت کی کوشش میں بھگدڑ مچی اور کئی بچیاں روندی گئیں، کئی لاپتہ ہوگئیں۔ ہمارے ہاں میڈیا جس مادر پدر آزاد کلچر کو فروغ دینے کی کوشش کر رہا ہے یہ اُسی کا شاخسانہ ہے۔بچیوں کے معاملے میں انتظامات کے لئے جس احتیاط اور باریک بینی کی ضرورت تھی وہ مدنظر نہ رکھی گئی اور نوبت یہاں تک پہنچی۔اس سلسلے میں والدین کو خود بھی اپنی ذمہ داری پوری کرنے کی فکر ہونی چاہیے۔میڈیا سے منسلک افراد کے اندر بھی یہ احساس پیدا ہونے کی ضرورت ہے کہ اس کلچر کو فروغ دینے کے جو نتائج نکل رہے ہیں، انہیں کس حد تک ہمارا مذہبی اور روایتی معاشرہ برداشت کرسکتا ہے اور اس کے نتیجے میں ہونے والی ٹوٹ پھوٹ ہمیں کہاں لے جائے گی۔

راولپنڈی کے ایک نجی سکول سے چھ طلبا و طالبات کا جان بوجھ کر ایک ساتھ لاپتہ ہو جانا بھی بے حد افسوسناک اور معاشرتی بگاڑ کا عکس ہے۔ پرانی اقدار مٹنے کے اس دور میں گھروں میں تربیت کا عنصر نہ ہونے کے برابر رہ گیا ہے اور کم عمر بچوں کے لئے برائی کی کشش کے آگے ہتھیار نہ ڈالنے کے محرکات کم سے کم تر ہوتے جا رہے ہیں۔

ہمارے اکثریت ناخواندہ آبادی والے معاشرے میں ماس میڈیا کے آزادانہ پھیلاؤ نے جو تباہیاں مچائی ہیں، ان کا مقابلہ کرنا تو کجا، ہمارا اجتماعی ضمیر ابھی تک پوری طرح ان کا احاطہ بھی نہیں کر پا رہا۔

جنوری کے اداریے میں ہمارے کمپوزر اور پروف ریڈر کی غلطی در غلطی نے یہ گل کھلایا کہ ایک سطر اشاعت سے چھوٹ گئی جس سے جملے کا مفہوم بالکل الٹ گیا۔ براہِ کرم درستگی کر لیجئے:

''روایت پسند مسلمانوں کے بنیاد پرستوں کی طرف جھکاؤ کو روکا جائے اور انہیں جدیدیت زدہ مسلمانوں سے مربوط کیا جائے، نیز روایتی اور صوفی اسلام کو پھیلایا جائے جو اسلام کی کھلی ڈلی تعبیر پیش کرتا ہے۔''

آپ کو یاد دہانی کرواتے چلیں کہ بتول کے ٹائٹل کے لئے مختلف مواقع کی مناسبت سے آپ کی کھینچی ہوئی خوبصورت تصاویر کے ہم منتظر رہتے ہیں۔

دعا گو۔صائمہ اسما

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی معروف و مقبول تصنیف ''خطبات'' کا سواں ایڈیشن اسلامک پبلی کیشنز کے زیر اہتمام شائع ہو رہا ہے 1941ء میں پہلی بار شائع ہونے والی یہ کتاب سید مودودیؒ کے خطبوں کا مجموعہ ہے جن کے ذریعے گزشتہ تیس سالوں میں بے شمار لوگوں نے اسلام کے صحیح مفہوم کو سمجھا اور جانا ہے۔ ہمارے قارئین میں سے جو لوگ ہمیں ''خطبات'' کے بارے میں اپنے تاثرات اور مضامین لکھ کر بھیجنا چاہیں ہم ان کو خوش آمدید کہتے ہیں تحریر مختصر، موضوع کے مطابق اور ذاتی تجربات و مشاہدات پر مبنی ہونی چاہیے (مدیرہ)

# آغوشِ نبوتؐ کی پروردہ ہستیاں

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ط وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا ز سِيْمَا هُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ط...

''محمدؐ اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت اور آپس میں رحیم ہیں۔ تم جب دیکھو گے انھیں رکوع و سجود، اور اللہ کے فضل اور اُس کی خوشنودی کی طلب میں مشغول پاؤ گے سجود کے اثرات اُن کے چہروں پر موجود ہیں جن سے وہ الگ پہچانے جاتے ہیں۔'' (۲۹:۴۸)

آفتابِ رسالت کی جھلملاتی کرنیں، آغوشِ نبوت کی پروردہ ہستیاں صحابہ کرامؓ جن کے سینوں پر انوارِ رسالت براہ راست پڑتے تھے۔ اُن کی سیرت کا ہر پہلو درخشاں اور ہمارے لیے مشعلِ راہ ہے۔ صحابہؓ نے انتہائی سخت حالات میں نبیؐ کی رفاقت کا حق ادا کیا اور اپنی جانیں لڑا کر دنیا میں اسلام کا وہ نور پھیلایا جس کی بدولت آج ہمیں نعمت ایمان میسر ہوئی انھوں نے بشریت کو اس قدر اونچے معیار تک پہنچا دیا تھا کہ تاریخ انسانی میں ان کی مانند کوئی دوسری مثال نہیں ملتی۔ انھوں نے عملی زندگی کا وہ نمونہ چھوڑا کہ آج جب ہم ان کے بارے میں پڑھتے ہیں تو ہمیں افسانہ اور قصے نظر آتے ہیں دراصل وہ قرآن کے الفاظ ہی کے ساتھ معاملہ نہ کرتے تھے بلکہ وہ قرآنی ہدایات، اس کی پرچھائیاں اور اس کے اشارات میں غور و تدبر کرتے تھے اور قرآنی تصورات کو عملی جامہ پہناتے تھے۔ قرآن کی تعلیمات ان کے نفوس میں اس طرح اتر گئیں کہ اُن کی زندگیاں اسلام کا چلتا پھرتا نمونہ بن گئیں۔ یہی وجہ ہے کہ انسانی تاریخ کے ایک مختصر عرصے میں انھوں نے انقلاب برپا کرنے کا وہ معجزہ دکھایا جس کی مثال پوری انسانی تاریخ میں نہیں ملتی۔

اللہ تعالیٰ اپنی لازوال کتاب میں اُن کا تذکرہ فرماتا ہے تاکہ آنے والی نسلوں کے لیے ان کی صفت بطور نمونہ ریکارڈ کر دی جائے۔ آیت زیرِ نظر میں نہایت ہی انوکھے انداز میں صحابہ کرامؓ کی تصویر کشی کی گئی ہے اور اس پاکیزہ جماعت کی نمایاں جھلکیاں دی گئی ہیں۔ صحابۂ کرام کی روشن تصویر کی پہلی جھلکی یہ ہے کہ یہ لوگ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ ہیں۔ یہ لوگ کافروں پر بہت ہی سخت تھے حالانکہ کافروں میں ان کے آباء، بھائی اور قریبی رشتہ دار موجود تھے لیکن انھوں نے ایسے تمام رشتوں کو یکدم کاٹ کر رکھ دیا اور وہ آپس میں بہت رحمدل تھے حالانکہ اُن کے

درمیان صرف دینی اخوت تھی۔ لہٰذا ان کی شدت بھی اللہ کے لیے اور نرمی بھی اللہ کے لیے تھی۔ وہ انانیت اور نفسانی خواہشات سے مجرد ہو گئے تھے اور اللہ کے سوا کسی اور کے لیے مشتعل ہی نہیں ہوتے تھے۔

صحابہ کرامؓ اپنے ایمان کی پختگی، اصول کی مضبوطی اور سیرت کی طاقت کی وجہ سے پتھر کی چٹان کا حکم رکھتے تھے۔ وہ موم کی ناک نہیں تھے کہ کافر انھیں جدھر چاہیں موڑ دیں۔ انھیں کسی خوف سے دبایا نہیں جا سکتا تھا اور کسی ترغیب سے خریدا نہیں جا سکتا۔ جاہلیت کے پرستاروں نے انھیں بے پناہ اذیتیں دیں لیکن وہ اپنے دل کی گہرائیوں سے ہر امتحان اور ہر صعوبت کو خندہ پیشانی سے برداشت کرنے اور راہِ حق پر گامزن رہنے کا عزم صمیم کر چکے تھے اس لیے جاہلیت کے تصورات اور جاہلی معاشرے کی روایات کا دباؤ اُن کی سخت جانی پر کوئی اثر نہ ڈال سکا۔

صحابہ کرامؓ نے سب کی آنکھوں کے سامنے اُن تمام رشتوں کو کاٹ پھینکا جو اللہ کے دین کے ساتھ اُن کے تعلق میں حائل ہوئے یہ ایک ایسا واقعہ ہے جو بدر واحد کے معرکوں میں سارا عرب دیکھ چکا تھا۔ صحابہ کرامؓ اپنے قریب ترین رشتہ داروں سے لڑ گئے تھے۔ حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح نے اپنے باپ، حضرت مصعبؓ بن عمیر نے اپنے بھائی اور حضرت عمرؓ نے اپنے ماموں کو قتل کیا۔

صحابہ کرامؓ کی سختی جو کچھ بھی تھی صرف کافروں کے لیے تھی اہل ایمان کے لیے وہ ریشم کی طرح نرم اور ہمدرد و غمگسار تھے۔ اصول اور مقصد کے اتحاد نے ان کے اندر ایک دوسرے کے لیے محبت اور ہمرنگی و سازگاری پیدا کر دی تھی۔ مہاجرین و انصار کے درمیان عقیدے کا سرمدی رشتہ استوار ہو گیا اور وہ بھائی بھائی بن کر خونی اور نسلی رشتوں سے بھی زیادہ قریب ہو گئے۔ جنگ بدر میں حضرت مصعب بن عمیرؓ کے سگے بھائی ابوعزیز بن عمیر کو ایک انصاری پکڑ کر باندھ رہا تھا۔ حضرت مصعبؓ نے دیکھا تو پکار کر کہا ذرا مضبوط باندھنا اس کی ماں بڑی مالدار ہے اس کی رہائی کے لیے تمھیں بہت سا فدیہ دے گی۔ ابوعزیز نے کہا تم بھائی ہو کر یہ بات کہہ رہے ہو۔ حضرت مصعبؓ نے جواب دیا تم میرے بھائی نہیں بلکہ یہ انصاری میرا بھائی ہے جو تمھیں گرفتار کر رہا ہے۔

مختلف قبائل، مختلف خاندانوں اور مختلف حیثیتوں کے لوگوں کو اسلام کی انقلاب انگیز تعلیم اور نبیؐ کی معجزانہ صحبت نے شیر و شکر بنا دیا اور وہ ایک ناقابل شکست قوت بن گئے۔ یہی وجہ ہے کہ ان لوگوں نے ایک چھوٹی سی اقلیت میں ہونے کے باوجود عرب کی عظیم اکثریت کو اپنے سائے میں لے لیا۔

صحابہ کرامؓ کی روشن تصویر کی دو جھلکی میں ان کا رکوع و سجود دکھایا گیا ہے۔ جب وہ عبادت کرتے ہیں تو رکوع و سجود میں ہوتے ہیں اور اُن کا سارا وقت اسی کام میں گزرتا ہے۔ صحابہ کرامؓ فرض نمازوں کو تو اُن کے اہتمام کے ساتھ ادا کرتے ہی تھے نماز تہجد بھی بڑے ذوق و شوق اور خشوع و خضوع کے ساتھ پڑھتے تھے۔ یہاں تک کہ ان کے پاؤں سوج جاتے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے ''صحابہ کرامؓ راتوں کو اٹھ اٹھ کر نماز پڑھتے تھے اور سوتے

بہت کم تھے۔'' ابوداؤد۔

صحابہ کرامؓ کو نماز سے ایک طرح کا عشق تھا۔ بہت سے صحابہ نفل نماز اس کثرت سے ادا کرتے تھے کہ بعض اوقات نبی رحمت نے انھیں عبادت و ریاضت میں اس قدر مشقت کرنے سے روکا۔ وہ پرخطر حالات میں بھی نماز سے غافل نہیں ہوتے تھے اور میدان جنگ میں بھی نماز قضا کرنا گوارا نہیں کرتے تھے۔ وہ نماز نہایت خشوع سے ادا کرتے اور اُن پر ایسا کیف واستغراق طاری ہو جاتا جو انھیں اردگرد کے ماحول سے بالکل غافل کر دیتا تھا۔ دورِ فاروقی میں ایک دفعہ مصریوں نے عین حالت نماز میں مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ لیکن ان کے خشوع اور توجہ الی اللہ میں نام کو بھی فرق واقع نہ ہوا۔ سلام پھیرنے تک سینکڑوں مسلمان شہید ہو چکے تھے۔

صحابہ کرامؓ کی اس تصویر کی تیسری جھلکی میں ان کی باطنی، روحانی اور نفسیاتی حالت دکھائی گئی ہے۔ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا ان کا دل جن باتوں میں مشغول رہتا ہے اور اُن کے اندر ہر وقت جو شوق اٹھتے رہتے ہیں وہ یہی ہیں کہ کسی طرح اللہ راضی ہو جائے۔ رسول اللہ کے دامن تربیت میں ایک ایسی لاثانی نسل پروان چڑھی جس نے خدا کی خوشنودی کی طلب میں اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔ نہ ان کو معاش کی فکر، نہ تن بدن کا ہوش، نہ راتوں کا خیال، نہ بیوی بچوں میں مگن رہنے کی مہلت، نہ کھیل تماشوں سے دل بہلانے کی فرصت بلکہ اُن کا پیشہ تھا تو وہی، مشغلہ تھا تو وہی، تفریح تھی تو وہی، ذریعۂ آرام وسکون تھا تو وہی کہ کسی طرح خدا راضی ہو جائے اور پھر قرآن نے انھیں رضائے رب کا سرٹیفکیٹ بھی عنایت کر دیا۔

صحابہ کرامؓ بغیر کسی معاوضے کے اللہ کے دین کے ہمہ وقتی خادم تھے۔ اپنے اس مقدس نصب العین کے لیے انھوں نے دماغوں کی کاوشیں، جسموں کی طاقتیں، جیبوں کے مال صرف کر دیے اور وقت آنے پر اپنی اور اپنے بال بچوں کی جانیں بھی حاضر کر دیں۔ انسان کے اخلاص اور جانثاری کا سب سے بڑا امتحان میدانِ جنگ میں ہوتا ہے۔ نبیؐ کی مدنی زندگی کا ایک بڑا حصہ میدانِ جہاد ہی میں بسر ہوا۔ صحابہؓ نے جس جوش وخروش کے ساتھ آپؐ کی حفاظت کی اور جس خلوص کے ساتھ آپؐ کا ساتھ دیا اس کی نظیر روم وایران کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ سعد بن ابی وقاصؓ نے فرمایا: ''ہم نے ایسی حالت میں جہاد کیا ہے کہ ہم درختوں کے پتے اور کیکر کی پھلیاں کھایا کرتے تھے اور اسی وجہ سے منہ کے کنارے زخمی ہو جاتے تھے اور اجابت اونٹوں اور بکریوں کی مینگنیوں کی شکل اختیار کر جاتی تھی۔'' (ترمذی)

صحابہ کرامؓ بہرحال انسان تھے اور بشری جذبات سے پاک نہ تھے لیکن اُن کا اللہ سے غیر منقطع تعلق تھا۔ وہ ہر وقت سوچتے رہتے تھے کہ ان کی زندگی نصوص الٰہی کے مطابق ہو۔ انھوں نے اپنے اندر پائے جانے والے شیطانی نفس پر قابو پا لیا تھا۔ وہ قرآن کے وعدے اور وعیدیں سن کر کانپ اٹھتے تھے اور اُن کے نفوس اس طرح اپنا رخ قرآن کے ساتھ بدل دیتے تھے جس طرح بادنما ہوا کے ساتھ رخ بدل دیتا ہے۔

صحابہ کرامؓ کی چوتھی خوبی یہ بیان کی گئی ہے کہ اُن کی

عبادت اُن کے فیچرز اور خدوخال سے ظاہری طور پر نظر آتی تھی۔ اُن کی روح پرور عبادت کے باعث اُن کے چہروں پر نور، روشنی اور چمک نظر آتی تھی۔ عبادت گزاروں کے چہروں سے کبر وغرور اور مستی دور ہو جاتی ہے اور اُس کی جگہ شریفانہ تواضع، صاف وشفاف طرزِ عمل اور تقویٰ کا دھیما پن آ جاتا ہے۔ حضرت امام مالک کا بیان ہے کہ جب صحابہ کرامؓ کی فوجیں شام کی سرزمین میں داخل ہوئیں تو شام کے عیسائی کہتے تھے مسیح کے حواریوں کی جو شان ہم سنتے تھے یہ تو اُسی شان کے لوگ نظر آتے ہیں۔

آخری جملے: صحابہ کرامؓ خدا کے پرستار، رسولؐ اللہ کے دیوانے، نیکی کے نقیب، بھلائی کے داعی اور بدی کے دشمن تھے۔ اُن کے اخلاق وکردار نے لاکھوں دلوں کو مسخر کیا۔ نبیؐ کی سیرتِ مطہرہ کا عکس اور آپؐ کے اسوۂ حسنہ کا نور صحابہ کرامؓ کی زندگیوں میں منتقل ہوا۔ یہ نفوسِ قدسیہ آسمانِ ہدایت کے ستارے اور زندگی کی گزرگاہوں میں روشنی کے مینار تھے۔ صحابہ کرامؓ پر قرآن بارانِ رحمت کی طرح اثر کرتا۔ قرآنِ مجید کے زیرسایہ انسانوں کا یہ معیاری گروہ وجود میں آیا۔ قرآن آج بھی عروج کے زینوں کی راہ دکھانے کی استعداد رکھتا ہے بشرطیکہ ہم سچے دل سے اس پر ایمان لائیں اور اسے صحیح معنوں میں اپنا دستورِ حیات بنائیں۔

ماخوذ از: فی ظلال القرآن، تفہیم القرآن، محسن انسانیت، خاصانِ خدا کی نماز، حیاتِ صحابہ کے درخشاں پہلو۔

# اسلام امن اور خوشحالی کا دین

کلمہ طیبہ پڑھ کر جب ایک شخص دائرہ اسلام میں داخل ہوتا ہے تو وہ ایمان کی بیش بہا دولت سے مالا مال ہو جاتا ہے۔ ایمان کا لفظ امن سے نکلا ہے۔ یعنی اس کا مادہ امن ہے اور واقعی اسلام امن کا علمبردار ہے۔ جو شخص محض زبانی کلامی مسلمان نہ ہو بلکہ صحیح معنوں میں ایمان لے آئے۔ وہ نہ صرف خود امن میں آ جاتا ہے۔ بلکہ معاشرے کے دوسرے افراد بھی اس سے مامون ہو جاتے ہیں۔ اور جس معاشرے میں اسلامی قانون نافذ ہوتے ہیں معاشرہ مکمل طور پر امن وسکون کا گہوارہ ہوتا ہے۔ عہدِ نبویؐ کا مبارک دور اور خلفائے راشدین کا سنہری دور اس کی روشن ترین مثالیں ہیں۔

اسلام ایک مکمل نظامِ زندگی ہے۔ اور وہ زندگی کے ہر پہلو کے لئے ہدایات دیتا ہے۔ اسی ہمہ گیر ہدایت کا نام شریعت ہے۔ قرآن میں ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم پوری شریعت کا اتباع کریں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

ترجمہ: اے ایمان والو اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ (البقرہ ۲۰۸)

جب زندگی کے ہر گوشہ میں اللہ کا حکم نافذ ہوگا تو کسی کی حق تلفی نہ ہوگی نتیجتاً معاشرے میں امن ہوگا۔

(سُن رکھو) قانون اور حکم خدا کے سوا کسی کے لئے نہیں (یوسف ۴۰)

خبردار تخلیق اسی کی ہے اور حکم بھی اسی کے لئے (الاعراف ۵۷)

اسلامی ریاست میں شہریوں کو یہ حقوق حاصل ہیں۔

۱۔ جان و مال اور ناموس کی حفاظت

ریاست ضمانت دیتی ہے کہ شہریوں کے جان و مال اور ناموس پر نہ خود ہاتھ ڈالے گی نہ کسی کو ڈالنے دے گی۔ حضورؐ کا ارشاد ہے۔

پس یہ وہ مسلم ہے جس کی جان و مال کی حفاظت کا ذمہ اللہ نے لیا ہے۔ تو خبردار اللہ کے ساتھ اس کی دی ہوئی ضمانت میں غداری نہ کرو (بخاری)

مسلمان کی ہر چیز مسلمان پر حرام ہے۔ اس کا خون، اس کا مال بھی اور اس کی آبرو بھی (مسلم)

اسی طرح غیر مسلم شہریوں کے باب میں بھی یہ اصول ہے کہ جو کوئی ہمارا ذمی ہو، اس کا خون ہمارے خون کی طرح، اس کی دیت ہماری دیت کی طرح، اور اس کا مال بھی ہمارے مال کی طرح ہوں گے۔

۲۔ شخصی آزادی

ہر شخص کی انفرادی آزادی محفوظ ہوگی جب تک کہ وہ اپنی آزادی کو دوسروں کی آزادی سلب کرنے یا جماعت کے

کسی مفاد کو نقصان پہنچانے یا خطرے میں ڈالنے کے لئے استعمال نہیں کرتا۔

۳۔رائے اور مسالک کی آزادی

اسلام ہر شخص کو اپنی آزاد رائے رکھنے کی اجازت دیتا ہے۔ بشرطیکہ وہ اسے خون ریزی اور فساد کا ذریعہ نہ بنائے۔

۴۔قانونی مساوات

تمام شہری خواہ امیر ہوں یا غریب، سیاہ ہوں یا سفید صاحبِ امر ہوں یا مامور، قانون کی نگاہ میں برابر ہوں گے۔

۵۔معاشرتی مساوات

خون، رنگ، نسب، زبان، پیشہ، معاشی مقام وغیرہ کی بنا پر شہریوں کے درمیان کوئی امتیاز نہ ہوگا عزت وشرف اگر ہے۔تو صرف تقویٰ کی بنا پر ہے۔

۶۔بے لاگ اور بے معاوضہ انصاف

اسلامی ریاست شہری کو ہر قسم کے ظلم و زیادتی سے بچائے گی اور حصولِ انصاف کا انتظام بلا معاوضہ کریگی۔

۷۔فریاد، اعتراض اور تنقید کا حق

تمام شہریوں کو یہ حق حاصل ہوگا کہ پوری آزادی کے ساتھ اپنی بات اربابِ اختیار تک پہنچائیں۔اپنی مجبوریاں اور مسائل ان کو بتائیں۔ان کی پالیسیوں پر تنقید اور اعتراض کریں۔

۸۔اجتماع، تنظیم اور حرکت کی آزادی

انہیں یہ حق بھی حاصل ہوگا کہ منظّم ہو کر کام کریں اور بلا روک ٹوک ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل ہوں، ساتھ ہی شہریوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ صحیح بات کو قبول کریں ،اطاعت کریں اور ریاست کی خیر خواہی کریں۔

جس ریاست میں اسلام کے عطا کردہ یہ تمام حقوق نافذ ہوں تو کیا وہ امن وآشتی کا نمونہ نہ ہوگی؟ اور اسی پُر امن معاشرے کے بطن سے خوشحالی جنم لیتی ہے۔

ترجمہ: مسلمانو! جب جمعہ کے دن نماز کے لئے اذان دی جائے تو تم اللہ کی یاد کی طرف دوڑو اور لین دین چھوڑ دو اگر تم جانتے ہو تو یہی تمہارے لئے بہتر ہے۔ پھر جب نماز ختم ہو جائے تو تم زمین پر پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔ اللہ کا ذکر کثرت کے ساتھ کرتے رہو۔ تاکہ تم فلاح پاؤ (الجمعہ ۹،۱۰)

مزید ارشاد ہے

ترجمہ: وہ لوگ جنہیں خرید وفروخت اور تجارت خدا کی یاد سے غافل نہیں کرتی (النور ۳۷)

اسلام نے ساری زمین بلکہ پوری کائنات کو انسان کے لئے میدانِ عمل قرار دیا ہے۔انسان کو ترغیب دی ہے کہ وہ اپنے معاش کے حصول اور خلق خدا کے لئے فارغ البالی کے حصول کے لئے زیادہ سے زیادہ جدوجہد کرے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ترجمہ: اور بے شک ہم ہی نے تم کو زمین پر رہنے کی جگہ دی اور اس میں تمہارے لئے سامانِ معاش پیدا کئے (الاعراف ۱۰)

ترجمہ: کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔اسے تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے اور اس نے تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں پوری

کردی ہیں۔(لقمان۲۰)

اسی طرح اسلام نے انسانوں کومختلف طریقوں سے محنت ، معاشی جدوجہد اور حصولِ رزق کی کوشش پر اکسایا ہے۔ بے عملی ، بے روزگاری اور گداگری کو ناپسندیدہ قرار دیا۔اوراس پرسخت وعید سنائی گئی۔ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ تم میں سے کسی کو یہ زیب نہیں دیتا کہ ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھا رہےاور رزق تلاش نہ کرے اور یہ کہتا رہے۔'' اللہ مجھے رزق عطا فرما'' تم کو(دعا کے ساتھ )اس کے لئے جدوجہد بھی کرنی چاہیے کیونکہ تم جانتے ہو کہ آسمان تو سونا نہیں برساتا۔ایک اور حدیث میں رسول اللہؐ نے فرمایا۔

تمہارے لئے کام کرنا بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ قیامت کے دن تم اپنے چہرے پر سوال کا داغ لئے آؤ(ابو داؤد) پھر مثبت طور پر رزق کی جدوجہد کی ترغیب دی۔اور اسے ہر مسلمان پر فرض کیا۔رسول اللہؐ نے فرمایا۔

جب تم فجر کی نماز پڑھ لو تو اپنی روزی کی تلاش سے غافل ہو کر سوتے نہ رہو(کنز العمال) ایک اور حدیث میں فرمایا:

دنیا کی شرافت غنا اور فراغ دستی میں ہے اور آخرت کی شرافت تقویٰ اور پرہیزگاری ہے۔(کنوز الحقائق) اور خود رب العزت کا ارشاد ہے۔

ولا تنس نصیک من الدنیا (القصص ۷۷)

ترجمہ: اور دنیا سے اپنا حصہ لینا نہ بھولو۔

نبی اکرمؐ نے کسب حلال کو''فریضۃ بعد الفریضۃ'' یعنی نماز کے بعد سب سے بڑا فرض قرار دیا ہے۔حضورؐ نے ایک صحابی کو دیکھا جو خستہ حال تھے۔آپؐ نے ان سے پوچھا تمہارے پاس کچھ ہے؟ انہوں نے بتایا دو درہم ہیں آپؐ نے ان میں سے ایک درہم کی کلہاڑی خرید دی اور لکڑیاں کاٹنے پر لگا دیا۔اس طرح آپؐ نے محنت کی ترغیب دی۔

حرمتِ سود

سود جو معاشی ظلم کا سب سے بڑا ذریعہ ہے اسلام نے اسے حرام قرار دیا۔اوراس کے لینے والے کو خدا اور اس کے رسول کے خلاف اعلان جنگ قرار دیا۔قرآن پاک میں ہے۔

ترجمہ: اے لوگو! جو ایمان لائے ہو بڑھتا چڑھتا سود نہ کھاؤ اللہ سے ڈرو تا کہ تم فلاح پاؤ(آل عمران ۱۳۰)

اس کے برعکس زکوٰۃ کا بے نظیر نظام دیا تا کہ معاشرے کے پسے ہوئے طبقے کو بھی اپنے پیروں پر کھڑا کیا جا سکے اور دولت امیروں میں ہی گردش نہ کرتی رہے۔امیر اور غریب میں باہمی نفرت کے بجائے محبت اور اخوت کے جذبات پرورش پا سکیں۔۔

زکوٰۃ کے علاوہ صدقات، انفاق، قانون وراثت اور العفو جیسے احکام دے کر معاشرے کو عدم توازن کا شکار بننے سے روکا تا کہ خوشی اور خوشحالی محض امیروں کا مقدر ہی نہ بن کر رہ جائے۔

یہ ایک مختصر سا خاکہ ہے امن ومحبت ،خوشی اور خوشحالی کے مذہب اسلام کا جو ایک طویل عرصہ تک دنیا کے ایک بڑے حصے پر حکومت کرتا رہا۔فتوحات کا عالم یہ تھا کہ اسلامی سلطنت میں سورج غروب نہ ہوتا تھا۔لیکن یہ فتوحات تلوار کی

نوک پر محض خطۂ زمین کی فتوحات نہ تھیں بلکہ اسلام کی آفاقیت نے لوگوں کے دلوں کو مسخر کر لیا تھا۔ اس مختصر مضمون میں تاریخ کے تمام درخشان ابواب سموئے نہیں جا سکتے۔ لیکن جب محمد بن قاسم سندھ سے رخصت ہونے لگا تو سندھ کے ہندو رونے لگے اور بعد ازاں انہوں نے اس کے بت بنا کر پوجنے شروع کر دیئے۔ افسوس کہ آج اسلام کی حقیقی روح سے دوری کے سبب مسلمان دنیا میں دہشت گرد کہلائے اور نتیجتاً خوشحالی اور امن رخصت ہوا۔ آج ہم کاسۂ گدائی لئے غیروں سے کسی ایسے نظام کی بھیک مانگ رہے ہیں جس سے امن قائم ہو اور خوشحالی کا دور دورہ ہو۔ حالانکہ نسخۂ کیمیا تو جزدان میں لپٹا ہمارے ہی طاقوں میں سجا ہے۔

☆☆☆

میمونہ حمزہ

# کشمیری خواتین

بھارت کے غاصبانہ قبضے میں ان پر کیا گزر رہی ہے، ایک چشم کشا تحریر

برصغیر جنوب ایشیا کی آزادی کے نصف صدی گزر جانے کے باوجود ریاست جموں وکشمیر کے مسلمان ابھی تک آزادی کیلئے تڑپ رہے ہیں، آزادی کی منزل کے نشانات بظاہر دھندلے نظر آتے ہیں، مگر یقین وعمل سے معمور دل اس دھندلاہٹ میں سے بھی آزادی کی حقیقی شمع کو روشن ہوتے ہوئے دیکھ رہے ہیں مقبوضہ کشمیر میں تحریک آزادی مختلف مراحل میں مختلف انداز اور حکمتِ عملی کے ساتھ چلتی رہی، بھارت کے ظلم وستم نے کشمیریوں کی زندگی میں زہر بھر دیا ہے، عسکری جدوجہد کے دوران بھی اور آج بھی سب سے زیادہ وہاں کی خواتین اور بچے متاثر ہورہے ہیں، جنوری ۱۹۸۹ سے نومبر ۲۰۱۱ تک ،۹۳،۱۲۷ مرد شہید ہوچکے ہیں، جن میں ۱۲،۸۸۹ افراد کو زیرحراست قتل کیا گیا، ۱۱۹،۲۷۷ لوگ گرفتار کئے جاچکے ہیں، ۲۲،۷۲۷ خواتین بیوہ ہوچکی ہیں اور ۱۰۷،۴۳۴ بچے یتیم ہوچکے ہیں، دس ہزار سے زائد خواتین کی عزت پامال کی جاچکی ہے۔ درحقیقت تحریکِ آزادی کو کچلنے کیلئے بھارت نے خواتین پر ظلم وستم کو حربے اور ہتھیار کے طور پر استعمال کیا ہے، انہیں مردوں کے سامنے ٹارچر کیا جاتا، ان کی عصمت دری کیجاتی، تاکہ کشمیری مرد مجبور ہوکر خاموش ہوجائیں، لیکن خواتین کے عزم کی داد دینا پڑتی ہے کہ ان حالات میں بھی وہ سینہ سپر رہیں، اور مردوں کو جہاد پر آمادہ کرتی رہیں، اور ان میں کمزوری اور اضمحلال پیدا نہ ہونے دیا۔

اگرچہ آج مقبوضہ کشمیر کی خاتون مصائب کا شکار ہے، طویل غلامی نے اس پر اپنے اثرات ڈالے ہیں، گھر کے سربراہ، کمانے والے فرد کے متاثر ہونے سے پورا گھرانا مشکلات کا شکار ہوجاتا ہے، اور سب سے زیادہ متاثر خواتین ہوتی ہیں، حالیہ رپورٹوں سے معلوم ہوا ہے کہ مقبوضہ علاقے کے باشندے ان پریشانیوں سے ذہنی دباؤ کا شکار ہورہے ہیں، اور خواتین سب سے زیادہ ذہنی امراض کا شکار ہورہی ہیں، میں تمام آبادی کا مستقبل غیریقینی ہوچکا ہے۔

ان حالات میں کشمیری سول سوسائٹی نے کشمیری عورت کے مسائل کو مہم کے طور پر اجاگر کرنا شروع کیا ہے، ایسی ہی ایک کوشش ''ہاف ویڈو، ہاف وائف'' رپورٹ میں کی گئی ہے، یہ ایک ایسی رپورٹ ہے جو کشمیر کی بیواؤں، کنواریوں اور شادی شدہ خواتین کے مسائل پر بات کرتی ہے، اس رپورٹ میں عمومی خواتین سے رائے لی گئی ہے اور کسی بھی مقامی، قومی یا بین الاقوامی شہرت کے سیاست دان سے رائے نہیں لی گئی۔ یہ رپورٹ ''ایسوسی ایشن آف پیرنٹس آف ڈس اپیرڈ پرسنز'' نے مرتب کی ہے، جو ''جموں وکشمیر کولیشن آف سول سوسائٹی'' کا ممبر ہے، ہارورڈ یونیورسٹی فیلو

نے اس کی تیاری میں خصوصی مدد دی ہے، اس میں ''ہاف ویڈو ، ہاف وائف'' کی اصطلاح ان خواتین کے لئے استعمال کی گئی ہے، جن کے شوہر خفیہ ایجنسیوں کے ہاتھوں لاپتہ ہو چکے ہیں، اور ابھی تک ان کے بارے میں حتمی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ وہ زندہ بھی ہیں یا نہیں۔

لاپتہ کشمیریوں کی مائیں، بہنیں اور بیویاں ایک غیر سیاسی تنظیم ''اے پی ڈی پی'' کے تحت منظّم ہو رہی ہیں، تاکہ امن اور انصاف کے لئے جدوجہد کر سکیں۔ اس تنظیم نے مقبوضہ کشمیر میں کئی مقامات پر اجتماعی قبروں کی نشاندہی کی ہے ،اسی طرح کئی گمنام قبریں بھی نشان زد کی ہیں، یہ تنظیم اپنی مدد آپ کے تحت کام کرتی ہے، اور وہ خواتین جو شوہروں کی گمشدگی کے برسہا برس گزرنے کے بعد بھی ان کی پنشن حاصل نہیں کر سکتیں کیوں کہ وہ ڈیتھ سرٹیفکیٹ پیش نہیں کر سکتیں، ان کے معاملات عدالتوں میں اٹھائے ہیں، اسی طرح ایسی خواتین کی دوبارہ شادی یا معاش کے مسائل حل کرنے کی جانب بھی توجہ دی ہے، رپورٹ میں مختلف خواتین کے حالات کا حوالہ بھی دیا گیا ہے، ان میں سے چند پیش خدمت ہیں:

''سری نگر کی زارا نے بتایا کہ نومبر ۲۰۱۰ء میں وہ شوہر کی گمشدگی کے آٹھ برس انتظار کے بعد پولیس سٹیشن پہنچی، اور فریاد کی کہ اسے صرف ایک مرتبہ اس کے شوہر سے ملا دیا جائے، اگر وہ زندہ ہے تو صرف اسے دکھا ہی دیں..... اور اگر وہ مر چکا ہے تو اسکی قبر کا پتہ ہی بتا دیں، میں جب بھی کسی پولیس سٹیشن گئی یا فوج کے اہلکار کے پاس، اس نے میری جانب بھوکی نگاہوں سے دیکھا، گویا میں اس کے لئے تر انوالہ ہوں، یا شاید میں اسے یہ بتانے آئی ہوں کہ میرا شوہر لاپتہ ہے، اور اس بات کو آٹھ برس بیت چکے ہیں! آئی جی پولیس کا رویہ مشفقانہ تھا، وہ بولا کل اس کے کپڑے لے آنا ملاقات کروا دوں گا، اور اس کل کے آنے میں بھی پورا سال بیت گیا، اور جب میں نے اسے یاد دلایا تو وہ دھاڑ کر بولا:

''میں اسے کہاں سے لاؤں، آسمان سے؟''

سری نگر کے ایک اور لاپتہ شخص کی نیم بیوہ ''زینہ'' بتاتی ہے کہ'' میں نے اپنی تقریباً تمام بچتیں اپنے لاپتہ شوہر کو ڈھونڈنے میں لگا دیں، ہمیں دلاسے دینے والے ایک شخص نے آدھی رات کو ہمارے گھر کے چکر لگانے شروع کر دیئے، وہ اصرار کرتا کہ وہ میری سولہ سالہ بیٹی سے بات کرے گا، تبھی میں نے قبول کر لیا کہ اب اس معاملہ کا باب بند ہو گیا ہے، میں شوہر کے بعد بیٹی کو کھونے کا خطرہ مول نہیں لے سکتی''

پالھالن کی روبینہ اپنے شوہر کی گمشدگی کے بعد اپنی مشکلات کے حل کے لئے کیا چاہتی ہے:

''ہر کوئی ہماری داستان سننے آجاتا ہے، میں نے آٹھ برس قبل شوہر کے کھو جانے پر ان بیٹیوں کی پرورش کی، اب مجھے پُرسہ نہیں ان بیٹیوں کے لئے ملازمت چاہیے، میں نے تنہا ہو کر بھی اپنی بیٹیوں کو تعلیم کے زیور سے آراستہ کیا تاکہ وہ کما کر کھائیں، ہمیں بھیک نہیں ملازمت چاہیے۔''

سری نگر ہی سے گل کہتی ہیں:

سری نگر کی سڑکوں پر آپ کو برقع پہنے بھیک مانگتی

خواتین نظر آئیں گی ، انہوں نے مذہب کی خاطر برقع نہیں پہنا ، ان میں سے کتنی ہی نیم بیوہ خواتین ہیں جو پہچانے جانے کے خوف سے برقع پہن کر نکلتی ہیں ، وہ مجبور ہیں ، مانگیں نہ تو بچوں کی کفالت کیسے کریں ؟ کتنی ہی خواتین کو سسرال کے طعنے بھی سننے پڑے ہیں کہ ان کی نحوست کی وجہ سے انکا بیٹا کھو گیا۔

لولاب ، کپواڑہ کی ثمینہ کہتی ہے کہ میں سارا دن سڑکوں پر بھیک مانگتی ہوں اور شام کو پڑوس میں برتن دھوتی ہوں ، تب کہیں اس قابل ہوتی ہوں کہ مکان کا کرایہ ادا کر سکوں ، میں نے اپنے مالک مکان تک کو نہیں بتایا کہ میرا شوہر لاپتہ ہے ، میں یہی کہتی ہوں کہ وہ ملازمت کے سلسلے میں جموں گیا ہوا ہے۔

مجبور خواتین کے لئے ریلیف فنڈ کا بھی اہتمام ہے مگر جب زارا فنڈ لینے گئی تو ڈی سی آفیسر نے اس کی قیمت لگانے کی کوشش کی ، زارا فائل اسی کے منہ پر مار کر بھاگ آئی۔

سروں کی چادر چھن جانے کے بعد گھر بسانا بھی ایک مشکل امر ہے ، اوڑی کی سلمٰی خوش قسمت تھی کہ اسے دوبارہ ایک نیک شوہر مل گیا اور کپواڑہ کی روبینہکی ساس اس کی جوانی سے اس قدر خوفزدہ ہوئیں اپنے بارہ برس کے بیٹے سے نکاح ثانی کی پیش کش کرنے لگیں۔

اس خوف کی فضا نے معصوم بچوں سے ان کا بچپن چھین لیا ہے ، دروازے پر اجنبی دستک سنتے ہی وہ بستر میں چھپ جاتے ہیں ، جب نامعلوم ہاتھ ان کے باپ کو چھین کر لے گئے تو انہیں بھی تو لے جا سکتے ہیں۔

ایک بیٹی افروزہ بتاتی ہے کہ کتنے برس بیت گئے میری ماں نہیں سوئی ، رات کو جب بھی میری آنکھ کھلے ، وہ جاگ رہی ہوتی ہے ، میری بہن کا بھی یہی مشاہدہ ہے ، اور صبح سویرے وہ ناشتا بنانے میں مصروف ہو جاتی ہے ، شاید وہ نہیں چاہتی کہ ہمیں ان کے رت جگے کا علم ہو۔

جن بچوں کے باپ چھن جائیں کونسا بچپن انکے پاس رہ جاتا ہے؟ جن کی لاشیں مل جائیں انکے بال بچے پنشن تو پاتے ہیں مگر ''نیم بیوائیں'' ڈیتھ سرٹیفکیٹ پیش نہ کر سکنے کے سبب اس سے بھی محروم رہتی ہیں۔

یہ مقبوضہ کشمیر میں آج کی خاتون کی حالتِ زار کا ہلکا سا عکس ہے۔

## خواتین کا مستقبل

مقبوضہ کشمیر میں طوقِ غلامی سے نجات پانے کیلئے مرد سر پر کفن باندھ کر نکلے ، تو خواتین بھی ہر مرحلے میں ساتھ رہیں ، بلکہ اس کے سب سے بڑھ کر اثرات بھی انہی پر پڑے ، اس جدوجہد میں خواتین کبھی بھی مردوں کے پاؤں کی زنجیر نہیں بنیں ۔ اس تحریک کی کامیابی کا دارومدار بھی انہی پر ہے ، اگر انہوں نے ہمت ہار دی تو اس کے اثرات صرف انہی کے گھر پر نہیں پڑیں گے بلکہ تحریک کمزور ہو گی۔ اسی وجہ سے غاصب دشمن نے ان خواتین کو ظلم وستم کا نشانہ بنایا ، انہیں ایذا دی گئی ، گھر کے مردوں کی آنکھوں کے سامنے ان کی بے حرمتی کی گئی تا کہ مرد کمزور پڑ جائیں ، مگر داد دینی پڑے گی کہ کشمیر کی خواتین نے ظلم تو سہا مگر مردوں کو آمادہ کیا کہ وہ جہاد جاری رکھیں ، اور ہماری قربانیوں پر کسی کمزوری

اضمحلال کو اپنی صفوں میں نہ آنے دیں۔ ہم بلاخوفِ تردید کہہ سکتے ہیں کہ ہمارا مستقبل شاندار ہے، ہماری نسل ایسی ماؤں کے ہاتھ میں ہے جو پرعزم مائیں ہیں۔

آج سیاسی جدوجہد کے دور میں نہتے کشمیری اپنے حقوق کے حصول کے لئے سڑکوں پر ہیں، مصر، لیبیا اور یمن میں لوگوں کے سڑکوں پر آنے سے دو برس قبل کشمیری سڑکوں پر پرامن مظاہرے کے لئے نکل آئے تھے۔تحریکِ آزادی کو بظاہر کچل دینے کے بعد آج پوری قوم کھڑی ہے۔سیاسی محاذ پر سید علی گیلانی کھڑے ہیں تو داخلی محاذ پر خواتین سرگرم ہیں، اور اعلان کر رہی ہیں کہ مستقبل ہمارا ہی ہے، بالآخر ظلم کی نیا ڈوب جائے گی۔

## امت مسلمہ کیا کردار ادا کرے؟

مقبوضہ کشمیر میں خواتین مسائل اور مصائب کا شکار ہیں ،سب سے بڑا مسئلہ شہدا، زخمیوں، معذوروں اور لاپتہ افراد کی کثرت نے معاشرے کے توازن کو بگاڑ دیا ہے، مقبوضہ کشمیر کی خواتین نے اپنی مدد آپ کے تحت مسائل کے حل کی کوشش شروع کی ہے، کئی سوشل ورکر اور این جی اوز بھی میدان میں اتری ہیں ۔ بھارتی صحافی مس چیتر جی اور ارندھتی رائے اور کئی دوسرے صحافی مقبوضہ کشمیر پہنچے اور وہاں کے مسائل اور لوگوں کی آواز دنیا کے کانوں کو سنوائی ، ارندھتی رائے نے غیر مسلم ہونے کے باوجود اجتماعی قبروں کی نشاندہی کی ، اور کشمیری عوام اور کشمیری خواتین کا کیس اٹھایا۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ پوری دنیا میں عورت کے حقوق کے لئے جدوجہد کرنے والی خواتین، کشمیری خواتین کے دکھ اور الم کا احساس کریں، دنیا کے مختلف پلیٹ فارمز پر ان کو حقوق دلانے کی کوشش کریں، ''او آئی سی'' میں ان کے لئے بات کی جائے، اسی طرح آزاد کشمیر، پاکستان اور دنیا کی دیگر مسلمان خواتین کو بھی مقبوضہ کشمیر کے حالات کے لئے مقبوضہ کشمیر بھیجا جائے ، جہاں وہ ان خواتین سے بالمشافہ طور پر ان کے مسائل سنیں اور انہیں حل کرنے کیلئے کوشش کریں۔

اس معاملے میں حقوق انسانی کی بعض علمبردار خواتین کی جانب سے کشمیری خواتین کے لئے روا رکھا جانے والا سلوک بھی نا قابل فہم ہے، عاصمہ جہانگیر اور ان جیسی کئی انسانیت کا درد رکھنے والی خواتین کشمیریوں کے بارے میں مجرمانہ خاموشی اپنائے ہوئے ہیں ، ان سے رابطہ کر کے کشمیریوں کی حق تلفی کے اعداد و شمار پیش کرنا چاہیے۔اور اتمام حجت کرنی چاہیے۔

پاکستان میں آزادی اور حقوق کے نام پر کتنے ہی الیکٹرانک میڈیا کے چینلز سرگرم عمل ہیں، انہیں بھی کشمیری خواتین پر ظلم وستم کے حقائق سے مطلع کیا جانا چاہیے۔

حکومتِ پاکستان کو اخوت کے تقاضے نبھاتے ہوئے کشمیریوں کی حق خودارادیت کی تحریک کو بین الاقوامی سطح پر

اجاگر کرنا چاہیے۔ اور تمام پلیٹ فارمز پر اسے متحرک رکھنا چاہیے۔

امتِ مسلمہ کھل کر کشمیریوں کا ساتھ دے، مالی منڈیوں اور تجارتی مفادات کی خاطر بھارت سے تعلق مضبوط نہ کرے، بھارت جس قدر مضبوط ہو گا وہ کشمیریوں کی جدوجہد آزادی کی تحریک کو اسی شدت سے دبائے گا، ہم ایک عرصے سے خلیجی ممالک میں بھارت کے اثر ورسوخ اور رسائی پر ملال کر رہے تھے مگر انتہائی دکھ سے کہا جاتا ہے کہ پاکستان نے بھی اسے ''انتہائی پسندیدہ ملک'' کا درجہ دے دیا ہے، کتنے افسوس کی بات ہے کہ ہم دیگر مسلمان دنیا سے کہتے تھے کہ بھارت کا بائیکاٹ کریں اور اسے کشمیریوں کے لئے گولی (بالواسطہ طور پر) نہ دیں۔ اور آج ہم نے خود اسے چہیتا بنالیا، کیا یہ کشمیریوں کے خون اور ان کی قربانیوں سے غداری نہیں؟

کشمیریوں نے اپنی مدد آپ کے تحت عالمی سطح پر اس مسئلے کو زندہ رکھا ہے، مقبوضہ کشمیر میں اجتماعی قبروں کی چھان بین کے لئے برٹش پارلیمنٹ میں بھی آواز سنائی دی، اور پاکستان اور مقبوضہ کشمیر سے وفود کو برطانیہ بلایا گیا، مگر دوسری جانب حکومت پاکستان نے بھارت سے دوستی کی پینگیں بڑھا کر، ان امکانات سے فائدہ اٹھانے کے بجائے ان کوششوں پر پانی پھیر دیا۔

کشمیر سے یکجہتی کا اظہار کرتے ہوئے پاکستانی خواتین کو مقبوضہ علاقے کی خواتین سے روابط بڑھانے چاہئیں، اور آج کے دور میں جب دنیا گلوبل ویلیج بن گئی ہے، یہاں سے وفود کا تبادلہ بھی ہونا چاہیے اور انٹرنیٹ رابطوں کی بھی حوصلہ افزائی ہونی چاہیے۔ یہاں کی سرگرم خواتین کو وہاں کی خواتین نمائندوں مثلاً آسیہ اندرابی (جو چھ ماہ کے بچے کے ہمراہ اسیر رہیں، جن کے شوہر بھی طویل عرصے سے پس دیوارِ زنداں ہیں) اور فریدہ بہن جی (جو خود طویل عرصے تک قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرتی رہیں) سے رابطہ رکھنا چاہیے۔

☆☆☆

# صلح حدیبیہ

## فتحِ مبین کیوں کہلائی؟

زمانۂ طالب علمی میں صلحِ حدیبیہ کے بارے میں پڑھا، امتحان دیا اور بڑے اچھے نمبروں سے اسلامیات کا مضمون پاس کیا لیکن اس وقت میرے ذہن میں نہ تو اس معاہدے کی اہمیت تھی، نہ اس کے نتائج اور نہ ہی کسی قسم کا کوئی سوال۔ مگر اب اس معاہدے کے بارے میں پڑھتے ہوئے کئی سوالات ذہن میں گردش کرنے لگے۔ جن میں سے دو بہت اہم تھے۔ انہی نے مجھے مزید غور وفکر اور مطالعہ سیرتؐ پر اکسایا۔ ان سوالات اور انکے جوابات سے پہلے بہتر ہوگا کہ میں صلح حدیبیہ کا مختصراً اعادہ کروں تا کہ یہ واقعہ ہمارے ذہنوں میں ایک مرتبہ پھر تازہ ہوجائے۔

مطالعہ سیرت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہجرت کے چھٹے سال رسول اللہ ﷺ اپنے خواب کی تعبیر کیلئے عمرے کی نیت سے اپنے 1400 صحابہ کرامؓ کے ساتھ مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ کے ساتھ قربانی کے جانور بھی تھے اور کوئی جنگی سامان نہ تھا۔ عرب کے عام رواج کے مطابق کعبہ کی زیارت کیلئے عربوں کے دشمن بھی آ سکتے تھے بشرطیکہ وہ غیر مسلح ہوں اور ان کی ایک عدد تلوار (جس کے بغیر عرب سفر نہ کرتے تھے) بھی میان کے اندر ہونی ضروری تھی۔ جب آپ ﷺ مدینہ سے نکلے تو مشرکین مکہ نے عرب روایات کے برخلاف آپؐ کو راستے ہی میں روک لیا۔ اس مقصد کیلئے انہوں نے خالد بن ولید کو جو اس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے، دو سو مسلح سواروں کے ساتھ بھیجا۔ آپؐ کیونکہ جنگ نہ کرنا چاہتے تھے لہٰذا آپ نے فوراً اپنا راستہ تبدیل کر لیا اور حدیبیہ کے مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ مشرکین مکہ کسی کو بھی کعبہ کی زیارت سے روکنے کے مجاز نہ تھے لیکن وہ مکہ میں آپؐ کا داخلہ اپنی ہتک سمجھتے تھے۔ اور یہ سوچ رہے تھے کہ کہیں آپؐ زیارت کے دھوکے میں مکہ کو فتح نہ کر لیں (کیونکہ اس وقت تک مسلمان کافی مضبوط ہو چکے تھے) اور یہ کہ تمام عرب قریش کی اس بے وقوفی پر انکا مذاق نہ اڑائیں۔ انہوں نے آپؐ کو مکہ میں داخلے سے روکنے کے لئے یکے بعد دیگرے اپنے چار وفود بھیجے۔ تمام وفود نے آپؐ کو دیکھنے کے بعد واپس جا کر قریش کو یہی مشورہ دیا آپؐ جنگ کی نیت سے نہیں آئے ہیں لہٰذا آپؐ کو عمرہ کرنے دیا جانا چاہیے۔ لیکن قریش نے اپنے کسی سفیر کی بات نہ مانی اور اپنی ضد پر اڑے رہے۔ ان کے آخری سفیر عروہ بن مسعود نے، جو کہ ایک دانا شخص تھا، واپس جا کر قریش کو یہی مشورہ دیا کہ وہ مسلمانوں کو عمرہ ادا کرنے سے نہ روکیں۔ وہ صحابہ کرام کی طرف سے آپؐ کی تعظیم کا جو منظر دیکھ چکا تھا اس کو ان الفاظ میں بیان کیا۔

''برادرانِ قریش! میں نے کسریٰ و قیصر اور نجاشی جیسے بادشاہوں کے دربار دیکھے لیکن محمد (ﷺ) کی سی عظمت کسی

بادشاہ کی نہیں دیکھی ۔ اور تو اور ان کے ساتھی ان کے وضو کرنے پر پانی کے قطرے بھی زمین پر نہیں پڑنے دیتے ۔ ان کا بال بھی زمین سے اٹھا کر کسی قیمت پر بھی کسی دوسرے کو دینے کیلئے تیار نہیں ہوتے ۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ لوگ اپنی رائے پر نظر ثانی کریں'' (صفحہ 580، حیات محمدؐ)

اسی سلسلہ گفتگو کے دوران قریش کے اپنے 40 پر جوش نوجوانوں کو مسلمانوں پر شب خون مارنے کیلئے بھیجا۔ انہوں نے رات کی تاریکی میں مسلمانوں کے خیموں پر پتھر اور تیر برسائے ۔ اس شب خون مارنے کا اصل مقصد یہ تھا کہ صلح کی گفتگو ناکام ہو جائے اور قریش کو جنگ کا بہانہ ہاتھ آجائے ۔ مگر صحابہ کرامؓ نے ان تمام جوانوں کو پکڑ کر آپؐ کی خدمت میں پیش کیا ۔ آپؐ نے ان سب کو معاف کر دیا اور چھوڑ دیا ۔ اس واقعہ سے قریش پر آپؐ کا خاصا رعب طاری ہوا ۔ اور وہ صلح کے متعلق سوچنے لگے ۔ قریش کے وفود کے بعد ان کی طرف سے کوئی ٹھوس جواب نہ پا کر آپؐ نے حضرت عثمانؓ بن عفان کو اپنا سفیر بنا کر بھیجا ۔ حضرت عثمانؓ کے ساتھ قریش کی بات چیت میں کچھ زیادہ وقت لگ گیا اور اس دوران یہ افواہ پھیل گئی کہ قریش نے حضرت عثمانؓ کو قتل کر دیا ہے ۔ کسی سفیر کا قتل ایک بہت بڑا جرم اور جنگ کا کھلا اعلان ہوتا ہے ۔ لہٰذا آپؐ نے قصاص لینے کیلئے صحابہ کرامؓ میں جنگ کی منادی کروادی ۔

صحابہ کرامؓ گرم جوشی کے ساتھ موت پر اور میدان سے نہ بھاگنے پر بیعت کرنے کیلئے ایک درخت کے نیچے جمع ہوئے اس بعیت کو ''بیعتِ رضوان'' کہا جاتا ہے ۔ اسی موقع پر خوش ہو کر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی تھی ، ترجمہ'' اللہ مومنین سے راضی ہوا ۔ جب وہ آپ سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے ۔'' (الفتح/18) اسی اثناء میں حضرت عثمانؓ واپس آ گئے اور معلوم ہوا کہ ان کے قتل کی خبر جھوٹی تھی ۔ اس بیعت سیمکہ والوں پر مسلمانوں کا رعب اور بڑھ گیا اور وہ صلح کیلئے آمادہ ہو گئے ۔

بالآخر قریش نے صلح کے معاہدے کیلئے سہیل بن عمر کو آپؐ کے پاس بھیجا اور اس نے آپؐ کو صلح کیلئے مکمل طور پر تیار پایا ۔ آپؐ نے قریش کی تمام شرائط کو بلا چون و چرا مان لیا ۔ حالانکہ یہ تمام شرائط بظاہر قریش کے حق میں تھیں اور انکی برتری ظاہر کرتی تھیں ۔ معاہدے کی ایک دستاویز تیار کی گئی اسکا ایک نسخہ قریش کو دیا اور دوسرا آپؐ نے اپنے پاس رکھا ۔

معاہدہ طے پانے کے بعد آپؐ نے مدینہ واپسی کا حکم صادر فرمایا لیکن صحابہ کرامؓ نے اپنی ناراضگی کے سبب اس حکم پر عمل نہ کیا ۔ سوائے حضرت ابوبکرؓ کے تمام اصحابِ رسول نے اس معاہدے پر عدم رضامندی ظاہر کی ۔ وہ دو وجوہات کی بنا پر بہت غمگین تھے اور ناراض بھی ۔ ایک تو یہ کہ وہ بغیر عمرہ کئے واپس بھیجے جا رہے تھے اور دوسرا وہ شرائط پر راضی نہ تھے کیونکہ ان شرائط میں کوئی برابری نہ تھی بلکہ یہ واضح طور پر قریش کی فتح اور مسلمانوں کی شکست تھی ۔ بہر حال انہوں نے آپؐ کو اپنے فیصلے پر اٹل پایا تو واپسی کا سفر باندھا ۔ راستے میں اللہ تعالیٰ نے اس صلح کے معاہدے کو ''فتحِ مبین'' قرار دیا اور سورہ فتح نازل فرمائی ۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس بشارت پر صحابہ کرامؓ پرسکون ہوئے ۔

اب ہم آتے ہیں اپنے پہلے سوال کی طرف کہ وہ معاہدہ جو بظاہر دشمن کی فتح نظر آتا تھا مسلمانوں کیلئے فتح مبین کیسے بنا؟ اس سوال کے جواب کیلئے ہم صلح کے بعد کے واقعات کا جائزہ لیں گے۔ سیرت کی کتابوں میں اس سوال کے کئی دلائل جواباً موجود ہیں۔ یہاں چند ایک کا مختصراً ذکر کیا جارہا ہے۔ سب سے پہلے تو یہ کہ اس معاہدہ کا کفارِ مکہ اور گرد کے قبائل پر بڑا مثبت اثر پڑا۔ وہ اسلام کو ایک امن پسند دین کے طور پر دیکھنے لگے۔

دوسری بڑی دلیل یہ تھی کہ اس دس سالہ جنگ بندی کے معاہدے سے مسلمانوں کو اپنے سب سے بڑے دشمن کی یلغار سے کچھ عرصے کیلئے نجات ملی اور اس زمانۂ امن میں آپؐ نے دو اہم ترین کاموں پر اپنی توجہ مرکوز رکھی۔

۱۔ تبلیغ اسلام

آپؐ نے اور آپ کے اصحابؓ نے زور وشور سے اسلام کی تبلیغ کا کام شروع کر دیا۔ اس سلسلے میں آپؐ نے کئی بادشاہوں اور امراء کے نام خطوط لکھے اور انہیں کھلم کھلا اسلام کی دعوت دی۔ ان بادشاہوں میں زیادہ مشہور نام قیصر (شاہِ روم) اور کسریٰ (شاہِ فارس) کے ہیں یہ اس زمانے کی دو سپر پاورز تھیں۔ انکے علاوہ آپؐ نے شاہِ حبشہ، مصر، بحرین اور دوسرے علاقوں کے حکمرانوں کو بھی خطوط لکھے۔ اسی کے ساتھ آپؐ نے درس و تدریس کا کام بڑھا دیا۔ صحابہ کرامؓ نے اپنے طور پر عرب اور عرب سے باہر قبائل کو اسلام کی دعوت دی۔ ان دونوں کوششوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہوئے۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کی تعداد میں کئی گنا اضافہ ہوا۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ جب حدیبیہ کے موقع پر آپؐ نے صلح کی تھی اس وقت آپ کے ساتھ صرف 1400 صحابہ تھے اور سنہ 8 ہجری میں دو سال سے بھی کم عرصے میں جب آپؐ فتح مکہ کیلئے نکلے تو آپؐ کے ساتھ دس ہزار کا لشکر تھا۔ اس کے علاوہ قریش کے کئی جانباز بھی انہی سالوں میں اسلام میں داخل ہوئے۔ مثلاً حضرت خالد بن ولیدؓ، حضرت عمرو بن العاصؓ اور حضرت عثمان بن طلحہؓ، جنہوں نے آگے چل کر اسلام کی سر بلندی کیلئے بڑے کارنامے انجام دیئے۔

۲۔ غدار دشمن سے نجات

قریش کی طرف سے مطمئن ہونے کے بعد آپؐ نے مکر و دغا، غداری اور بدعہدی کے لحاظ سے اپنے سب سے گندے دشمن سے نجات حاصل کرنے کا ارادہ کیا۔ اس مقصد کیلئے آپؐ نے سب سے پہلے خیبر کا رخ کیا اور اسے فتح کرنے کے بعد یہودیوں کے باقی علاقوں کو بھی فتح کیا۔ آپؐ نے فتح کے بعد ان کو اسلام کی دعوت دی لیکن یہودیوں نے اسے قبول نہ کیا اور جزیہ کی ادائیگی پر آپ ﷺ سے مصالحت کر لی۔ اس طرح وقتی طور پر آپؐ نے اپنے اس دشمن پر بھی قابو پا لیا اور انہیں امن سے رہنے پر مجبور کیا۔

وعدے کے مطابق آپؐ نے سنہ سات ہجری میں بڑی شان وشوکت کے ساتھ عمرہ ادا کیا (عمرۃ القضاء)

اب ہم آتے ہیں اپنے دوسرے سوال کی جانب کہ صحابہ کرامؓ کا وہ سر فروش گروہ جو آپ ﷺ کے ایک اشارے پر جان کی قربانی سے دریغ نہ کرتا تھا اور اسکا برملا

اظہار وہ بدر واحد اور بیعتِ رضوان کے مواقع پر کر چکے تھے ان کے لئے اس امن معاہدہ پر عمل کرنا کیوں اس قدر گراں گزرا؟ دراصل صلح حدیبیہ کا موقع صحابہ کرامؓ کیلئے ایک کڑا امتحان ثابت ہوا۔ انہوں نے پہلی مرتبہ رسول ﷺ کی بات فوراً نہ مانی کیونکہ بقول مولانا وحیدالدین یہ صلح صحابہ کرام کیلئے ان کے ''وقار'' کی قربانی تھی۔ انسانی تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جان کی قربانی کی نسبت وقار کی قربانی بہت بڑی ہوتی ہے۔ کیونکہ جان کی قربانی انسان کو عزت، فتح اور نیک نامی بخشتی ہے۔ جبکہ وقار کی قربانی بے عزتی، شکست اور بدنامی سے ہمکنار کرتی ہے۔ اسی لئے وقار کی قربانی انتہائی مشکل ہوتی ہے۔ تاریخ کے مطالعے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جان کی قربانی دینے والے بہت سے انسان ملیں گے لیکن وقار کی قربانی کم لوگوں کے حصے میں آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ کی راہ میں اس بڑی قربانی کا اجر پھر ایک بڑی کامیابی کی صورت میں ملا۔ ایک ایسی کامیابی جس کی مثال دنیا میں اور کوئی نہیں ملتی۔ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ اس لئے کہ جنگ انسانوں کے جسموں کو فتح کرنے، دشمن کو شکست دینے اور اپنا غلبہ قائم کرنے کا نام ہے۔ جبکہ صلح حدیبیہ انسانوں کی روحوں کو مسخر کرنے، دشمن کو دوست بنانے اور دوسروں کو اپنے ساتھ شریک کر کے حق کو بلند کرنے کا ذریعہ بنی۔ اسی لئے یہ فتح مبین کہلائی۔

صلح حدیبیہ کے واقعات پر نظر ثانی کرنے اور مزید سوچ بچار سے میں اس نتیجے پر پہنچی ہوں کہ مسلمان آج بھی انہی حالات سے دو چار ہیں جو صحابہ کرامؓ کو حدیبیہ کی صلح سے پہلے پیش آئے۔ آج، پھر ایک بار مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان اعتماد، صلح جوئی اور معتدل فضا کی کمی ہے جو کہ امن قائم کرنے کیلئے بے حد ضروری ہے۔ اسلام جو کہ سلامتی کا دین ہے اس پر دہشت گردی کی مہر چسپاں کر دی گئی ہے۔ دنیا بھر میں مسلمانوں کو زبردستی جنگ میں دھکیلا جا رہا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں بھی اپنے اسلاف کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے آج اپنی کامیابی اور فتح کیلئے ایک بار پھر وہی بڑی اور کٹھن قربانی دینا ہوگی جس کے نتیجے میں اسلام ہم تک پہنچا۔ اپنی ذاتی رنجشوں کو بھلا کر جنگ اور صلح میں سے صلح ہی کا انتخاب کرنا ہوگا ہمیں ہر ایسے موقع پر جہاں ہم پر زبردستی جنگ مسلط کرنے کی کوشش کی جائے، وہاں صبر و تحمل سے کام لیکر امن کی کوششوں کو فروغ دینا ہوگا۔ اور بوقتِ ضرورت اپنے وقار کی قربانی دے کر اللہ کے بندوں کیلئے اللہ کے دین کا دروازہ کھولنا ہوگا۔


حوالہ جات۔ حیاتِ محمد ﷺ۔ محمد حسنین ھیکل

تجلیاتِ نبوت۔ مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری

سیرت النبیؐ۔ ابن ہشام

دینِ انسانیت۔ مولانا وحیدالدین خان


☆☆☆

# محبت

مجھے تم سے محبت ہے یہ کہہ کر بھول مت جانا
امر جذبہ ہے یہ، مت اس کو تم لفظوں سے کفنانا

نکل جاتی ہے خوشبو، پھول کِھل کے سوکھ جاتا ہے
یہ وہ احساس ہے اظہار سے جو روٹھ جاتا ہے

محبت کعبۂ دل میں خدا بن کر اترتی ہے
سر مقتل انا الحق کی صدا بن کر ابھرتی ہے

محبت جذبۂ ایثار کا بھاری خزینہ ہے
یہی ہے آتشِ نمرود یہ ہی طور سینا ہے

گھنے جذبوں کے جنگل میں دیئے کا کام دیتی ہے
مئے حقانیت سے بھر کے دل کا جام دیتی ہے

ادھورے خواب بھی شرمندۂ تعبیر کرتی ہے
یہ اجڑی بستیوں میں پھر سے گھر تعمیر کرتی ہے

جھکی شرمائی آنکھوں میں کہیں رنگِ حیا ہے یہ
لبِ خاموش پر جو ثبت ہے ایسی دعا ہے یہ

یہ نازک سی کلی احساس کے کانٹوں میں کھلتی ہے
بقدرِ ظرف یہ مئے ہر کسی انساں کو ملتی ہے

مسرت ، نور ، خوشبو ہے توانائی کا چشمہ ہے
دکھوں کو سکھ بنا دے اس میں کچھ ایسا کرشمہ ہے

محبت دیدۂ ہستی کو انوارِ ثریا ہے
زمیں پہ خاکی انسانوں کا آفاقی رویہ ہے

نجمہ یاسمین یوسف

# ترانۂ کشمیر

اے مرے کشمیر تیرے گلستانوں کو سلام
خونِ مومن سے مزیّن آستانوں کو سلام
غیرتِ ایماں کا جو لے کر علم بے گھر ہوئے
جذبۂ شوقِ شہادت کی چٹانوں کو سلام
روند کر کفار کے ہر جال کو پیہم چلے
رہ نوردِ شوق کے سارے دِوانوں کو سلام
ظلمتوں کو چیر کر لائے نویدِ ضوفشاں
صبحِ روشن کی دلیلوں اور نشانوں کو سلام
غاصبوں کے سامنے ہیں شان سے سینہ سپر
جادۂ حق کے مسافر ، نوجوانوں کو سلام
موڑ کر رُخ رکھ دیا ہے کاروانِ عشق کا
قلزمِ حق کے معزز بادبانوں کو سلام
جرمِ حق گوئی میں جن کو دار بھی منظور ہے
ماؤں ، بہنوں کے سروں کے سائبانوں کو سلام
موت کی آنکھوں میں جو آنکھیں دیئے چلتے رہے
اُن شہیدوں ، غازیوں ، فاتح جوانوں کو سلام
تیری حرمت کے لئے کردی نچھاور زندگی
موت ہے جن کی حیات ، اُن مہربانوں کو سلام
ظالموں نے گودِ مادر جن سے بڑھ کر چھین لی
آہ ! ان معصوم بچوں ، بے زبانوں کوسلام
ہے رقم جن میں جری تیرے سپوتوں کا ذکر
کیوں نہ پھر پرویؔن کرے اُن داستانوں کو سلام

ڈاکٹر پروین سیف مانسہروی

نجمہ سہیل

# مقام کی تلاش

عنبر کا فون تھا: ''آپا جلدی سے ٹی وی لگاؤ خالو مزمل درس دے رہے ہیں۔'' عنبر کی یہ بہت عجیب عادت ہے، ہمیشہ اسی طرح فون کرتی ہے: ''آپا! ٹی وی دیکھ رہی ہو۔ جلدی سے چینل پندرہ لگاؤ بڑی زبردست فلم لگی ہے۔'' کبھی حکم دے گی: ''آپا میوزک چینل پر ڈانس دیکھو۔ اللہ توبہ! یہ ساری سیدھی دوزخ میں جائیں گی۔''

''بھئی ان کو دوزخ میں جانے دو۔ تم کیوں یہ پروگرام دیکھتی ہو۔'' میں کبھی کبھی اُسے ڈانٹ بھی دیتی ہوں کہ میں تمہاری طرح فارغ تو ہوں نہیں کہ سارا دن ٹی وی کے سامنے بیٹھی رہوں۔ پر کیا کریں۔ عنبر اور میری زندگی کا ایک حصہ اکٹھا گزرا۔ یعنی شادی سے پہلے کا۔ ویسے تو بہنوں کا یہ حصہ اکٹھا ہی گزرتا ہے لیکن ہمارا کچھ زیادہ ہی گزرا۔ عنبر مجھ سے ایک سال چھوٹی ہے۔ ہماری ہر چیز مشترک رہی۔ میرے چھوٹے ہوئے کپڑے، جوتے اُس نے پہنے۔ میری کتابیں میرے پاس ہونے پر اس کے سپرد کر دی جاتیں۔ کمرہ ہمارا مشترک تھا۔ وہ اکثر کہتی: ''آپا میں تو تمہارا سایہ ہوں۔'' لیکن سب سے بڑی بات اُس کی مجھ سے محبت ہے۔ بازار جائے گی تو زبردستی مجھے ساتھ لے کر۔ اپنے لئے کوئی پرنٹ خریدے گی تو میرے لئے بھی ویسا ہی لائے گی۔

بہر حال اب یہ محترمہ مجھے اطلاع دے رہی تھیں کہ خالو مزمل ٹی وی پر درس دے رہے ہیں۔ مقصد اُس کا یہ تھا کہ میں بھی اُنہیں دیکھوں اور ان کی باتیں سنوں تاکہ بعد میں ڈسکس کرنے میں اسے مزہ آئے۔

میں نے ٹی وی آن کیا۔ خالو مزمل کہہ رہے تھے: ''جس گھر میں عورت کی توقیر نہیں اس گھر پر خدا اپنی رحمت کے فرشتے نہیں بھیجتا۔ وہاں کبھی اُس کی برکتیں نہیں اترتیں۔''

اُف خدایا! یہ خالو مزمل تھے۔ بے چاری خالہ فخر جس قدر بے توقیر ان کے ہاتھوں ہوئیں خدا کسی کو نہ کرے۔

خالو مزمل ہماری امی کے برابر والے مکان میں نئے کرایہ دار آئے تھے۔ ہماری امی ان لوگوں میں سے تھیں جو سمجھتے ہیں کہ پڑوسیوں کا حق رشتہ داروں سے بھی زیادہ ہوتا ہے۔ نوکرانی کے ذریعے ان کو کہلوا دیا کہ شام کا کھانا ہماری طرف سے جائے گا۔ دوسرے روز خالہ فخر اور ان کی ساس ہمارا شکریہ ادا کرنے آئیں۔ خالہ فخر کا دو سالہ بیٹا عاصم بھی ان کے ساتھ تھا۔

خالہ فخر ایک دم امی کے دل کو بھا گئیں..... گول چہرہ، گوری رنگت، موٹی موٹی آنکھیں، گھنگھریالے بال۔ کافی دیر وہ لوگ بیٹھی رہیں۔ عاصم تھوڑی ہی دیر میں بے تکلف ہو گیا اور بھائیوں کے کھلونوں سے کھیلنے لگا۔ خالہ فخر تو خاموش ہی رہیں البتہ ان کی ساس خوب باتونی تھیں۔ اس طرح ہمارا

ان کے ہاں آنا جانا شروع ہوا۔ اور ایک روز امی نے ان کو باقاعدہ دوپٹہ بدل کر اپنی بہن بنالیا۔ سو اُسی روز سے ہم ان کو خالہ فخر کہنے لگے۔ ہوا یوں کہ خالہ فخر ہمارے ہاں آئیں تو چپ چپ تھیں۔ امی نے جب پیار سے ان کا ہاتھ دباتے ہوئے اس اداسی کی وجہ پوچھی تو ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ بولیں: ''آپا جس کی بہن نہ ہو اُس کی بھی کوئی زندگی ہے! نہ کوئی ساتھ رونے والا اور نہ ہنسنے والا۔'' امی بے حد جذباتی ہوگئیں۔ انہوں نے فوراً شرفو کو بازار بھیجا۔ ایک کلو مٹھائی منگوائی۔ اندر سے اپنا بنارسی دوپٹہ لے کر آئیں۔ اپنا دوپٹہ ان پر ڈالا اور ان کا خود اوڑھ لیا۔ مٹھائی کا ٹکڑا اُن کے منہ میں ڈالا اور بولیں: ''لو فخر آج سے ہم بہنیں ہوئیں۔ خبر دار جواب سوچا کہ میری کوئی بہن نہیں۔ دکھ سکھ میں تم مجھے اپنے برابر کھڑا پاؤ گی۔''

خالہ فخر کی کہانی کچھ اس طرح تھی۔ وہ اپنے ماں باپ کی بے حد لاڈلی تھیں کیونکہ چار بھائیوں کے بعد پیدا ہوئیں۔ ایک تو سب سے چھوٹی اور پھر ایک ہی بیٹی۔ ماں کے تو چاؤ ہی ختم نہ ہوتے تھے۔ اسی طرح ماں باپ کی محبت اور بھائیوں کے لاڈ دلار میں وہ جوان ہوئیں تو ان کی شادی ایک مسئلہ بن گئی۔ ایک تو ان کے والد سخت طبیعت کے مالک تھے اس پر چار بھائی۔ جو بھی پیغام آتا اس میں کچھ نہ کچھ نقص نکل آتا۔ اگر لڑکا بھائیوں کے معیار پر پورا اترتا تو والد کے سوالات پر وہ گھبرا کر کچھ الٹا سیدھا بول دیتا اور ناپسندیدہ قرار دیا جاتا۔ خالہ فخر کی والدہ کہتیں: ہمیں کیا جلدی ہے، دیکھ بھال کر ہی کریں گے لیکن جب خالہ فخر کی والدہ اچانک برین ہیمرج سے فوت ہوگئیں تو سارا سیٹ نظام تلپٹ ہوگیا۔ رات کو اچھی بھلی سوئیں۔ صبح اُٹھیں تو سر میں درد تھا۔ نماز پڑھی اور دوبارہ لیٹ گئیں۔ ایسی آنکھ لگی کہ پھر نہ کھلی۔ چار روز ہسپتال میں رہیں اور پانچویں دن خالقِ حقیقی سے جا ملیں۔

چہلم تک تو بھابیاں بھی رہیں۔ رشتہ دار، ملنے والے بھی آتے جاتے رہے۔ لیکن جب سب نے اپنا سامان باندھا تو خالہ فخر کا مسئلہ سامنے آیا کہ وہ گھر میں اکیلی کیوں کر رہیں گی۔ بھائی اپنی نوکریوں پر تھے اور ظاہر ہے کہ بھابیوں کی اپنی گھر ہستی تھی، بچے سکول جاتے تھے، وہ کیسے رکتیں۔ دور پار کی ایک رشتہ دار رقیہ آپا نے اس وقت تک رکنے کی حامی بھری کہ جب تک فخر کی شادی نہ ہو جاتی۔

خالی ڈھنڈار گھر۔ سارا دن خالہ فخر منہ پر دوپٹہ ڈالے پڑی رہتیں اور ماں کو یاد کر کر کے روتیں۔ وہ تھیں تو گھر میں کس قدر رونق تھی۔ ایک آتا تو ایک جاتا۔

رقیہ آپا نے ان کے والد کو مشورہ دیا کہ جس قدر جلدی ہو سکے فخر کی شادی کر دیں۔ اپنا کیا ہے کسی بھی بیٹے کے پاس رہا جا سکتا ہے۔ خالو مزمل رقیہ آپا کے دور پار کے رشتہ دار تھے۔ باپ کی چھوٹی سی زمینداری تھی۔ وہ تو گاؤں میں ہی رہتے ان کو پڑھنے کیلئے شہر بھیجا تھا۔ یہ بھی پڑھائی میں اچھے تھے۔ تعلیم مکمل ہوگئی تو نوکری بھی مل گئی۔ ان کی اماں رقیہ آپا سے ملنے آئیں۔ تو فخر پر لٹو ہوگئیں جھٹ پیغام دے دیا۔ عام حالات میں تو شاید یہ لوگ نہ مانتے لیکن اب پہلے والی زندگی ہی نہ رہی تھی۔ رقیہ آپا خم ٹھونک کر میدان میں اتر

آئیں پہلے تو فخر کے والد کو قائل کیا کہ ایسا وجیہہ اور خاندانی لڑکا پھر نہ ملے گا۔ پھر بھائیوں کو بلوایا گیا۔ وہ لوگ بھی خالو مزمل سے ملے۔ بظاہر تو کوئی برائی ان کو بھی نظر نہ آئی.....سو شادی طے پا گئی۔

خالہ فخر کسی رسم کے لئے تیار نہ تھیں۔ والدہ کی صورت آنکھوں کے سامنے سے نہ ہٹتی۔ سو سادگی سے شادی ہوئی لیکن جہیز میں انہوں نے کسی طرح کی کسر نہ رکھی۔

چند ہفتوں کے یہ بات کھل گئی کہ خالہ فخر شادی سے کچھ خوش نہ تھیں۔ خالو مزمل مزاج کے بے حد تیز تھے اور یہ اتنی ہی بھولی بھالی۔ انہیں غصہ آتا تو جو چیز سامنے آتی توڑ پھوڑ دیتے۔ پھر انہوں نے ہر بات پر یہ کہنا شروع کیا کہ بھائیوں کے زعم میں نہ رہنا، میں کسی سے دبنے والا نہیں۔ ہر بات کو طعنہ بنا لیتے۔ معمولی معمولی بات اٹھا کر فساد مچاتے۔ مثلاً ایک روز دسترخوان پر خالہ نے صرف دہی سے روٹی کھانا شروع کی تو ساس نے کہا: ''سالن کیوں نہیں لیتیں۔'' وہ بولیں: ''بھنڈیاں مجھے پسند نہیں۔'' ساس تو ابھی بولیں بھی نہیں تھیں انہوں نے ڈونگا الٹ دیا اور کہا:

''یہاں تو سبزی ہی پکے گی۔ مرغ تنجن کھانا ہے تو باپ کے گھر چلی جاؤ۔''

خالہ فخر نے اپنے آپ کو ان کے رنگ میں ڈھالنے کی بہت کوشش کی لیکن وہ ان کو رام نہ کر سکیں.....انکا بس چلتا تو وہ ان کے ساتھ ایک دن بھی نہ رہتیں۔ مگر کیا کرتیں؟ والد تو اب گھر پر تالا ڈال بڑے بھیا کے پاس چلے گئے تھے، کس کے پاس جاتیں؟

مانا بھائی پیار کرتے تھے لیکن بھابیوں نے لاتعلقی والا رویہ اپنایا تھا۔ اگر کبھی رہنے بھی گئیں تو انہوں نے خوشی سے خیر مقدم نہ کیا۔ ٹھیک ہے، بھائی کا گھر ہے، آئی ہو رہو پر ہم سے توقع نہ کرنا کہ تمہارے ساتھ گپیں لڑائیں گے یا تمہارا دکھڑا سنیں گے۔ پڑوسنوں کے ساتھ وہ گھنٹوں باتیں کرتیں لیکن نند کے پاس بیٹھ کر دو میٹھے بول بولنا انہیں گوارا نہ تھا۔ چنانچہ انہوں نے ان کے ہاں جانا بہت کم کر دیا۔ بھائی شکوہ کرتے تو مسکرا کر چپ ہو جاتیں۔ یہ تو ان پر واضح ہو گیا تھا کہ برا بھلا وقت اب اسی گھر میں گزارنا ہے۔ مذہب کی طرف توجہ زیادہ ہو گئی تھی۔ کافی وقت نمازوں میں گزر جاتا۔ پھر قرآنِ پاک کی تلاوت میں لگی رہتیں۔

جب سے سسر فوت ہوئے تھے ساس ان کے ساتھ آ کر رہنے لگی تھیں۔ اس کا ایک فائدہ یہ ہوا تھا کہ خالو مزمل کی بدمزاجی کے وہ آڑے آنے لگی تھیں لیکن خود اول فول بکنے سے نہ چوکتیں۔

جوں توں وقت کٹ رہا تھا۔ پھر عاصم پیدا ہوا۔ خالہ کی تو زندگی ہی بدل گئی۔ اُن کے پیار کا محور عاصم بنا اور وہ دنیا بھر کے غموں سے بے نیاز ہو گئیں۔

جب وہ ہمارے پڑوس میں رہنے آئیں عاصم دو سال کا تھا۔ امی سے بہنا پا قائم ہونے کے بعد وہ ہمارے اور قریب ہو گئیں۔ دن میں ایک آدھ چکر وہ ہمارے ہاں لگا لیتیں پھر ہم بھی ان کی طرف چلے جاتے۔ ایک دن وہ آئیں تو ان کی آنکھیں سوجی ہوئی تھیں۔ اماں نے بہت پوچھا تو روتے ہوئے بولیں: ''مزمل کہتے ہیں گھر سے باہر نہ نکلا

کرو۔ سارا دن تاک جھانک کرتی رہتی ہو۔''

''اللہ کی پناہ۔'' امی گھبرا کر بولیں۔ ''تم پر جو الزام لگائے خدا اُسے جہنم رسید کرے۔''

''وہ تو جہنم رسید جب ہوگا تب، میں تو جیتے جی جہنم میں ہوں۔'' خالہ فخر دوپٹے سے منہ پونچھتے ہوئے بولیں۔

وہ چلی گئیں تو امی دیر تک سر تھامے بیٹھی رہیں۔ ابا آفس سے آئے اور اُنہیں پژمردہ سا پایا تو بولے: ''خیریت تو ہے؟''

''اسی لئے لوگ بیٹیوں سے گھبراتے ہیں۔ خدا جانے کیسے لوگ ملیں اور کیا سہنا پڑے۔'' انہوں نے عنبر اور میری طرف دیکھ کر دکھ بھرے لہجے میں کہا۔

ابا نے سوالیہ نظروں سے ان کی طرف دیکھا۔

''یہ اس مزمل نے نیا بکھیڑا شروع کیا ہے۔''

''کیا ہوا؟'' وہ کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولے۔

''شک کی نئی بیماری۔'' امی نے مایوسی سے کہا۔ ''اُسے وہم ہوگیا ہے کہ فخر ادھر اُدھر تاک جھانک کرتی رہتی ہے۔''

''لاحول والاقوۃ!'' ابا بولے۔ ''اس کا تو دماغ خراب ہوگیا ہے۔''

فخر خالہ کافی دن ہمارے ہاں نہیں آئیں۔ ہم لوگ بھی مہمان داری میں مصروف تھے۔ کراچی سے بڑی پھپھو آئی تھیں۔ وہ لوگ رخصت ہوئے تو امی نے کہا: ''فخر کو دیکھے جیسے زمانہ ہوگیا، چلو اس کی طرف چلتے ہیں۔''

ان کے ہاں پہنچے تو مزمل خالو دروازے پر ہی مل گئے۔

''خیریت؟'' انہوں نے روکھے لہجے میں پوچھا۔

امی حیران سی رہ گئیں، بولیں: ''کافی دنوں سے فخر نظر نہیں آئی، میں نے سوچا میں ہی مل آؤں۔''

''آپ نے ناحق تکلیف کی۔ وہ بالکل ٹھیک ہے۔'' یعنی کہ آپ جائیں۔ اسی اثناء میں، میں بیل کر چکی تھی۔ بڑی اماں نے دروازہ کھولا اور ہمیں دیکھ کر بولیں: ''آیئے آیئے۔ دنوں بعد صورت دکھائی۔'' مزمل خالو برا سا منہ بنا کر پرے ہوگئے اور ہم لوگ اندر چلے آئے۔ امی اس روز بہت غصے میں تھیں۔ انہوں نے بڑی اماں کو خوب سنائیں کہ بیٹے کو بڑوں سے بات کرنے کی تمیز ہی نہیں ہے۔ اتنے میں فخر خالہ کمرے سے باہر نکلیں۔ وہ کچھ لنگڑا کر چل رہی تھیں.....امی ان کو اس حالت میں دیکھ کر گھبرا گئیں۔

''ہیں، فخر اس طرح کیوں چل رہی ہو..... چوٹ لگی ہے کیا؟''

اس سے پہلے کہ خالہ کچھ کہتیں اُن کی ساس بولیں:

''سامنے پڑی کرسی نظر نہیں آئی، گر گئی، ٹانگ پر چوٹ لگی ہے۔''

فخر خالہ بے بسی سے سر کو ہلاتی رہیں۔ اُن کی آنکھوں میں آنسو تھے جو امی کو بے چین کر رہے تھے.....ان کو شاید ساس نے ڈانٹا تھا۔ وہ اُٹھ کر اندر گئیں تو وہ دبی زبان میں کہنے لگی: ''بیوی کب تک پردے ڈالو گی۔ میاں نے ٹانگ پر ہاکی ماری ہے۔''

امی تو بیٹھی کی بیٹھی رہ گئیں۔ ''شرفا کے ہاں کب کسی نے عورت پر ہاتھ اٹھایا تھا۔'' فخر خالہ نے ہاتھ جوڑے۔ ''جو ہوا سو ہوا۔ اب بات بڑھانے کا کیا فائدہ؟'' امی نے گھر

آتے ہی ان کے والد کوفون کیا۔ شام کو وہ اور دونوں بڑے بھائی آن پہنچے۔ خالو مزمل نے اپنی ساری ظاہر داری بالائے طاق رکھی اور دھمکی دی کہ اگر گھر سے قدم نکالا تو پھر بچے کی شکل بھی نہ دیکھ پاؤ گی۔ خالہ فخر بے بس ہوگئیں۔ اُن کی زندگی میں ایک ہی تو خوشی تھی اور وہ تھی عاصم۔ انہوں نے روتے ہوئے کہا: ''آپ سمجھ لیجئے ''فخر مرگئی۔''

اس واقعے کا ایک منفی ردِعمل ہوا کہ مزمل خالو ہم لوگوں سے چڑنے لگے۔ خالہ کا تو ہمارے ہاں آنا موقوف ہوا لیکن امی نے ان کے ہاں جانا نہ چھوڑا۔ اب انہوں نے فخر خالہ کی ساس سے دوستی بڑھالی تھی۔ کبھی کچھ پکا کر لے جاتیں کبھی بازار سے اُن کے لئے چیزیں خرید لاتیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مزمل خالو کی غیر موجودگی میں ہم ان کے گھر آتے جاتے رہتے۔ فخر خالہ کی بھی ڈھارس بندھی رہتی۔

مزمل خالو نے ایک نیا فتنہ یہ کھڑا کیا کہ ہر ایک کے سامنے دکھڑا روتے کہ مجھے بچوں کی بہت خواہش ہے۔ عاصم کے بعد ان کے ہاں کوئی اولاد نہ ہوئی تھی۔ کچھ خیر خواہ تو سمجھاتے کہ ایک اولاد ہی کافی ہے، اس کو پڑھاؤ لکھاؤ، اچھا انسان بناؤ۔ کئی تماش بین دوسری شادی کا مشورہ دیتے جو شاید انکے دل کو زیادہ بھاتا۔

بی ہاجرہ خدا جانے اُنہی کہاں ملیں۔ کافی دن تو وہ ماں کے سامنے اس کی مصیبت اور مظلومیت اور اکیلے پن کا رونا روتے رہے پھر ایک روز نکاح کر کے اُسے گھر لے آئے۔ اس شادی پر ماں بھی راضی نہ تھیں۔ ہاجرہ بی کے آنے سے گھر کا سکون رخصت ہوا۔

ہاجرہ بی شکل وصورت کی تو معمولی تھیں البتہ نخرہ بہت تھا۔ پہلے تو انہوں نے خالہ فخر کے ساتھ عداوت کا رشتہ استوار کرنا چاہا لیکن خالہ فخر تو اس منزل سے گزر چکی تھیں۔ انہوں نے تو زندگی سے ہی لاتعلقی اختیار کر لی تھی۔ ہاجرہ کا گھر میں ہونا یا نہ ہونا اُن کے لئے بے معنی تھا۔ ہاجرہ بی کی ساس کے ساتھ تو تکار کا سلسلہ البتہ چلتا رہتا۔

یکے بعد دیگرے چار سال میں ہاجرہ بی کے ہاں تین بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ ساس تو بوکھلا اٹھیں۔ ہر آنے جانے والے سے کہتیں: ''اللہ نے ایک بیٹا دیا تھا شہزادہ سا، اس کلموہی نے میرے بیٹے کو پھنسا لیا۔ اب یہ تین کالی کلوٹیاں ہمارے سر منڈھ دیں۔ ارے ہم ان کا کیا کریں گے؟''

ایک روز ہاجرہ بی نے کہہ دیا: ''کوٹھے پر بٹھا دینا۔ جینے کا آسرا تو کر ہی لیں گی۔'' اس دن خوب فساد مچا۔ خالو مزمل گھر آئے تو ماں نے کہا کہ اگر ابھی کھڑے کھڑے اس بدذات کو طلاق نہ دی تو میرا مرا منہ دیکھو گے۔ خالو مزمل نے بڑی مشکل سے ماں کو سمجھایا۔ فخر خالہ سب سے الگ تھلگ یوں بیٹھی رہیں جیسے کسی اور کے گھر میں یہ تماشا ہو رہا ہو۔ جب سے خالو مزمل نے ہاجرہ سے شادی کی تھی ان سے تو شاید ان کا تعلق ہی ٹوٹ گیا تھا۔

سارا دن یہ گھر کے کاموں میں الجھی رہتیں۔ مہینے میں ایک بار ان کے والد ہمارے گھر آتے اور یہ آ کر ان سے مل جاتیں۔ باہر کی دنیا سے بس انہوں نے اتنا ہی تعلق رکھا تھا۔

ابا ایک روز گھر آئے تو امی سے کہنے لگے، یہ مزمل تو بہت نیک ہو گیا ہے، پانچوں وقت مسجد میں نماز پڑھنے جا رہا

ہے۔

امی نے کہا: ''دل کی سیاہی کیا اس دکھاوے سے دھل سکتی ہے۔''

پھر معلوم ہوا وہ ایک تبلیغی جماعت میں شامل ہو گئے ہیں اور ایک دن وہ تبلیغ کی غرض سے گھر سے غائب ہو گئے۔

کیسا مشکل وقت ان لوگوں پر پڑا۔ کرائے کا گھر، بچوں کے اخراجات، اماں کی دوائیاں، خالہ فخر نے تو سر پکڑ لیا۔ اماں بددعائیں دیتیں، مزمل تجھے خدا کبھی نہ بخشے۔ گھر والوں کو برباد کر کے تو لوگوں کو نیکی کا راستہ دکھانے چلا ہے۔ میرے والد نے مالک مکان سے ان کی خستہ حالی بیان کی تو اس نے کہا کہ اگر یہ لوگ دو کمرے رکھ کر باقی مکان خالی کر دیں تو میں کرایہ ایک چوتھائی کر دوں گا۔ فخر خالہ اور ان کی ساس تو تیار ہو گئیں لیکن ہاجرہ بی نہ مانیں ان کی ساس نے ایک نہ سنی اور پچھلے کمروں میں منتقل ہو گئیں۔ زائد سامان فروخت کر دیا۔ ہاجرہ بی نے نیا وطیرہ اختیار کیا۔ وہ صبح سویرے خوب بن سنور کر گھر سے نکل جاتی اور دن ڈھلے لوٹتی۔ ایک روز ایک آدمی اُس کے ساتھ آیا جسے وہ اپنا بھائی بتا رہی تھی۔ ساس نے کہا: ''پچھلے پانچ سالوں میں تو کوئی بھائی نہ جھانکا آج کس کو بھائی بنا کر لے آئی ہو۔'' ایک غدر مچا۔ ہاجرہ بھی گھر چھوڑنے کی دھمکی دینے لگی تو ساس نے ہاتھ جوڑ کر کہا: ''ضرور چلی جاؤ اور ان چڑیلوں کو بھی ساتھ لے جاؤ۔'' ہاجرہ بولی: ''میں ساتھ تو ان کو لے کر آئی نہیں تھی، تمہاری نسل ہے، سنبھالو۔'' بچیاں ڈھاریں مار کر رونے لگیں لیکن اس نے تو دل پتھر کر لیا۔ مڑ کر بھی نہ دیکھا۔

فخر خالہ نے خاموشی سے ان کی پرورش اپنے ذمہ لے لی۔ بچوں کو وہ ٹیوشن پڑھاتیں۔ کپڑے سیتیں۔ امی نے ایک دن کہا بھی کہ فخر کیوں اپنے آپ کو مصیبت میں ڈال کر بیٹھی ہو۔ ہر مرتبہ تمہارے والد تمہیں ساتھ لے جانے کے لئے منتیں کرتے ہیں تو آہستہ سے بولیں: ''اماں اور ان تینوں کو کس کے آسرے چھوڑ جاؤں۔'' امی لاجواب ہو کر چپ ہو گئیں۔

دو سال بعد خالو مزمل لوٹ آئے۔ پر وہ اکیلے نہ تھے نئی بیگم ساتھ تھیں۔ لبادے میں چھپی چھپائی۔ ہم نے تو صرف اس کی آنکھیں ہی دیکھیں۔ انہوں نے نہ تو ہاجرہ کے بارے میں پوچھا اور نہ ان دو سالوں کے بارے میں بات کی جوان لوگوں نے کسمپرسی کی حالت میں گزارے۔ اماں، بچے اور خالہ فخر ایک کمرے میں منتقل ہو گئے اور خالو مزمل اور نئی بیگم نے دوسرے کمرے پر قبضہ جما لیا۔

خالو صبح صبح تبلیغ پر نکل جاتے۔ بیگم اپنے کمرے میں بند رہتیں۔ دوپہر کو وہ دروازہ کھولتیں اور کھانا پہنچانے کا حکم دیتیں۔ رات کو خالو مزمل لوٹتے اور کسی بچے کو آواز دیتے کہ کھانا آ کر دے جائیں۔ ماں نے چند روز تو یہ تماشا دیکھا پھر ایک روز بیٹے کو پکڑ لیا: 'تم نے تو گھر کو ہوٹل سمجھ لیا ہے۔ کچھ اندازہ ہے کہ گھر کیسے چل رہا ہے؟''

وہ لاپرواہی سے بولے: ''جو کام میں کر رہا ہوں اس کے سامنے یہ معمولی نوعیت کے مسائل کچھ حیثیت نہیں رکھتے۔''

اماں نے سر پیٹ لیا۔ ''یہ مسائل معمولی نوعیت کے

ہیں؟''

''بالکل دنیاوی باتیں ہیں اور میں ان میں الجھنا نہیں چاہتا۔'' وہ یہ کہہ کے یہ جا وہ جا۔

اماں روتی ہوئی ہمارے ہاں آئیں۔فخر خالہ کے والد کوفون کروایا کہ آ کر بیٹی کو لے جائیں۔اس کی حالت میں اب برداشت نہیں کرسکتی۔وہ آئے۔خالہ فخر نے کہا میں کسی بھائی کے ساتھ نہیں رہوں گی۔اپنا گھر تو موجود تھا۔سو والد نے کہا ہم اپنے گھر میں رہیں گے۔خالہ فخر کی ساس گاؤں واپس چلی گئیں۔وہ اور کر بھی کیا سکتی تھی۔تینوں بچیاں فخر خالہ کے ساتھ گئیں۔ان بے چاریوں کے لئے ماں اور باپ دونوں فخر خالہ کی ذات میں تھے۔خالہ بھی ان کو الگ کرنے پر آمادہ نہ تھیں۔

اور آج ایک مدت کے بعد خالو مزمل کو میں ٹی وی پر دیکھ رہی تھی۔وہ کہہ رہے تھے:''عورت ہر روپ میں قابلِ عزت ہے۔ماں ہو تب.....'' مجھے اماں یاد آ گئیں۔

''بیوی ہو تب.....'' خالہ فخر اور ہاجرہ کے چہرے اُبھرے۔''اور جس نے دو بیٹیوں کی پرورش کی وہ جنت کا حق دار ٹھہرا۔'' خالو آپ کی تو تین بیٹیاں تھیں بلکہ ہیں۔میں نے اونچی آواز میں کہا:''آپ کا مقام کون متعین کرے گا۔''

ٹیلی فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔یقیناً عنبر ہو گی۔

ہاں عنبر ہی تھی۔

''سنا آپا! انہوں نے تو سب کے مقام متعین کر دیئے۔''

''اور ان کے مقام کی تلاش میں فرشتے بھٹک رہے ہیں آسمانوں پر۔'' میں نے جل کر کہا۔

☆☆☆

# اِک نئی صبح

پندرہ بیس سال پہلے بڑا کریز ہوتا تھا لڑکیوں کو امریکا جانے کا اور ظاہر ہے اس کے لئے کسی گرین کارڈ ہولڈر سے شادی بہترین شارٹ کٹ تھا۔لیکن یہ کوئی نہیں بتاتا تھا کہ ان ملکوں کی چمک دمک سب ظاہری ہے۔عام آدمی کے لئے وہاں وہی ڈیڑھ کمرے کا ٹوٹے فرش، بوسیدہ دروازوں والا اپارٹمنٹ اور نہ ختم ہونے والی مزدوری ہوتی ہے اور انسان اچھے وقتوں کی آس میں ایک نہ ختم ہونے والے چکر کا شکار ہو جاتا ہے۔میں بھی ہو جاتی اور ظاہر ہے میں وہاں اسی لئے گئی تھی مگر ہم کتنے ہی لنگڑے لولے مسلمان کیوں نہ ہوں کہیں نہ کہیں ہمارے اندر سویا ہوا اسلام جاگ اٹھتا ہے خاص طور پر اگر معاملہ حلال، حرام کا ہو۔حسیب بہت اچھے انسان تھے وہ امریکہ ہی کی پیدائش تھے لہٰذا ویک اینڈ پر پینے پلانے یا دوستوں کے ساتھ راتیں رنگین کرنے میں کوئی حرج نہ سمجھتے تھے، دین کے معاملے میں ہماری سمجھ ایسی ہی ہے۔کچھ لوگ نام اسلامی رکھنے پر اکتفا کر لیتے ہیں، کچھ لوگ حلال حرام کی حد تک اکتفا کر لیتے ہیں، وہ بھی معاشرہ ایسا ہو تو!

میرے لئے یہ بڑا اذیت ناک تھا، نشے میں دُھت شوہر جب گھر آتا ہے تو اس کے لڑکھڑاتے وجود کو سنبھالنا اس کے منہ سے اٹھنے والے غلیظ بدبو کے بھبکے، اگلی صبح ٹوٹتے جسم کے ساتھ بلیک کافی کی طلب اور معافی تلافی کا سلسلہ، پہلے پہل تو حسیب سمجھے ہی نہیں کہ آخر اُن کی اماں جس ''دیسی'' پاکی لڑکی کو اپنی مامتا کے واسطے دیکر بیاہ لائی ہیں اُسے تکلیف کیا ہے؟

جب سمجھ میں آیا اور ظاہر ہے معلوم ہی تھا تو وہی لنگڑی لولی وضاحتیں کہ میں کوشش کروں گا، کیا کروں عادت ہو گئی ہے اور بالآخر وہ وقت آیا کہ کہنے لگے، دفع ہو جاؤ یہاں سے ،میرا دماغ مت کھایا کرو، تمہیں کیا میں جو چاہوں کروں۔

اس وقت آٹھ ماہ گزر چکے تھے ہماری شادی کو، میرا چوتھا مہینہ چل رہا تھا، ہر عورت پہ یہ وقت آتا ہے، تقریباً ہر عورت اس تکلیف سے گزر چکی ہوتی ہے مگر دوسری عورت پر گزر رہی ہو تو یہ تکلیف اُسے محسوس نہیں ہوتی۔ہم عورتیں اپنی ہی صنف کے لئے اتنی بے رحم کیوں ہوتی ہیں؟

لیکن میری ساس اتنی بھی بے رحم ثابت نہ ہوئیں۔ اپنے بیٹے کی اصلاح کے لئے ہی سہی انہوں نے میرا بھرپور ساتھ دیا۔یہ مام ہی تھیں جنہوں نے ایک طرف بیٹے کے دل میں، آنے والے بچے کی محبت کو خوب اجاگر کیا اور دوسری طرف مجھے حسیب کو ایک زوردار بھرپور جھٹکا دینے کے لئے تیار کر دیا۔ایک رات جب حسیب حسب معمول خوب پی کر آئے تھے میں نے اُن سے بھرپور جھگڑا کیا اور گھر چھوڑ کر نکل گئی۔مکمل گرم کپڑے پہنے ہوئے ہونے کے باوجود،

ہاتھ میں چھوٹا بیگ اور مام کے دیئے ہوئے ڈالرز کے باوجود میں خود کو یتیم محسوس کر رہی تھی ۔گھر سے فوسٹر ہاؤس تک میں بلا مبالغہ روتی رہی ، یہ الگ بات ہے کہ میرے شوہر نامدار کو یہ جھٹکا خوب لگا اور یہ رونا وصول ہو گیا وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے ان کی بے بس مظلوم بیوی اتنا بڑا قدم بھی اٹھا سکتی ہے ، بغیر کسی آسرے کے ۔انسانوں کی اس فطرت نے بڑا فساد برپا کیا ہوا ہے جب وہ یہ دیکھتے ہیں کہ سامنے والا کمزور ہے تو پھر فرعون بن جاتے ہیں ہاں کوئی برابر کا مقابلہ کرنے والا ہو پھر ان کی ساری طرم خانی ہوا ہو جاتی ہے ۔''مقابلہ'' جذبات کے ساتھ نہیں ذرا عقل کے ساتھ کیا جائے ، خاص طور پر شوہر کا معاملہ ہو تو!

یہی بات میں عائشہ کو سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی ، میں نے پھر اُس سے کہا ،'' جب شوہر غصے میں تھا تو تم ہی خاموش ہو جاتیں ۔''

''ارے واہ کیوں ؟'' وہ چمک کر بولی ،'' ساری صبح کام میں نے کیا اور کریڈٹ لے جاتیں امی؟''

میں نے ٹھنڈی آہ بھر کر کہا ،'' جب ایک جرنیل بری طرح چاروں طرف سے دشمن فوج کے نرغے میں پھنس جائے تو عقلمندی کیا ہے؟ جذباتی ہو کر بچی کھچی فوج سمیت لڑ بھڑ جائے یا سمجھداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے پیچھے ہٹ جائے پھر اپنی حکمت عملی کا از سر نو جائزہ لے اور نیا پلان بنائے؟''

''نہ میں کوئی جرنیل ہوں نہ سیاستدان جو ہر وقت بس حساب کرتی رہوں ، میں پڑھائی میں بہت اچھی تھی مجھے لگتا ہے اپنے کیریئر پر دھیان دوں تو میں اس سے بہت بہتر زندگی گزار سکتی ہوں ۔''

''اچھا کیریئر بنانے کے بعد بھی شادی تو کرو گی ناں؟'' میں نے پوچھا اور پھر خود ہی جواب دیا ،'' آدمی اپنی فطرت سے نہیں بھاگ سکتا ، چاہنا ، چاہے جانا ، گھر بنانا ، بچے پالنا یہ سب فطرت ہے ، ابھی تو سب تمہیں بن مانگے مل گیا ہے تو قدر نہیں ہو رہی ، تیس پینتیس سال میں جب کسی کیریئر کے عروج پر پہنچ کر کسی رائٹ مین سے تم شادی کرو گی تو پتا چلے گا یہ تو رانگ نکل آیا کیونکہ دنیا کا ''ایک'' آدمی بھی ایسا پرفیکٹ نہیں ہوتا جیسا دنیا کی ہر عورت چاہتی ہے ، انسان ایسے ہی ہوتے ہیں ..... کچھ اچھے ، کچھ برے ، کہیں سمجھدار تو کہیں بالکل ناسمجھ..... بس سمجھداری یہ ہے کہ ان کے درمیان سے اپنی راہ نکال لیں ۔''

وہ بہت غور سے میری بات سن رہی تھی بے اختیار ہو کر کہنے لگی ،'' آدمی ایسے کیوں ہوتے ہیں آپی ، بے حس ، اپنی چلانے والے ، خود غرض ۔''

میں نے جواباً کہا ،'' عورتیں ایسی کیوں ہوتی ہیں عائشہ؟ حد درجے حساس ، زود رنج ، اپنی ہی دنیا میں بند رہنے والی ۔'' اور پھر ہم دونوں ہی ہنس پڑے ۔ساس بہو ، بیٹا یہ ایک ایسا تکون تھا جس میں میں کہیں فٹ نہ ہوتی تھی مگر فی الحال اس تکون کی گنجلک نے مجھے گھما کے رکھ دیا تھا ، تینوں ہی تکون میں اپنی شرائط پر رہنا چاہتے تھے ، نکلنے کے لئے چاہتے تھے کہ سامنے والا نکلے تا کہ الزام ہم پر نہ آئے ہم لوگوں کے سامنے کہہ سکیں کہ جی سارا قصور سامنے والے کا

تھا ہم تو گھر چلانا چاہتے تھے، اچھا یہ ''لوگوں کا خوف'' تو میری سمجھ میں کبھی آیا ہی نہیں اُس وقت بھی نہیں جب میں اس معاشرے کا حصہ تھی اور اب تو میں الحمد للہ ایک ایسے معاشرے میں رہ رہی ہوں جو کافر ہے کم از کم منافق نہ تھا، آپ کہیں گے کیسی باتیں کرتی ہے یہ خاتون ! کفر کے معاشرے میں رہنے پر الحمد للہ یعنی اللہ کا شکر.....تو وہ اس لیے جناب کہ جب کفر کے معاشرے میں بچے پالتے ہوئے یہ مسائل سامنے آتے ہیں کہ وہ لوگ تو حجاب نہیں لیتے، کھلے عام ڈیٹنگ، چیٹنگ کرتے ہیں تو آپ آرام سے کہہ دیتے ہو کہ بیٹا وہ لوگ مسلمان نہیں ہماری تو بنیاد ہی اُن سے الگ ہے۔ انہوں نے کہا، اللہ کچھ نہیں ہم وہ کریں گے جو ہماری عقل کے پیمانے پر پورا اُترے گا، ہر عمل کی بنیاد منفعت (فائدہ) ہے اور اس پر قائم ہو گئے تو ظاہر ہے ترقی بھی کریں گے، قول و فعل کا تضاد جو نہیں۔ گو ترقی کی بنیاد مضبوط نہیں ہو گی مگر ہمارا کیا کریں؟ جو وعدہ کرتے ہیں اللہ کی غلامی کا اپنی جانوں کو جنت کے بدلے بیچنے کا، ہمارے لئے عمل کی کسوٹی اللہ کے بتائے ہوئے اوامر و نواہی ہیں اور زندگی کا مقصد اللہ کی رضا اور اُس کے بتائے ہوئے نظام کا نفاذ ہے اور زندگی گزارنے کا یہ مقصد تو ہمارے ذہن کیکسی گوشے میں بھی نہیں تو پھر دنیا میں بھی بدترین ذلت ہمارے حصے میں آ رہی ہے اور آخرت؟ تو اسکا تو خیر سے ہم نے سوچا ہی نہیں!

ایک ہفتہ مزید گزر گیا، اس دن میں اور امی لاؤنج میں بیٹھے چائے سے لطف اندوز ہو رہے تھے، ساتھ میں میں نے یہ چیک کیا تھا، امی کا موڈ بہت اچھا تھا، میں نے چائے کا مگ ہاتھ میں لیا اور دونوں پیر چڑھا کر صوفہ پر بیٹھ گئی ساتھ ہی اعلان کیا، میرے جانے میں ایک ہفتہ رہ گیا ہے پھر یہ صحبتیں کہاں؟

امی اداس ہو گئیں، ''تھوڑا اور رک جاؤ'' انہوں نے کہا،

''کتنا اور؟' میں نے ہنس کر کہا، ''جانے والوں کو تو جانا ہی ہوتا ہے، یہ تعلق آپ بہو سے بنائیں تو کتنا اچھا ہوتا اسی لئے سمجھدار مائیں بہوؤں کو بیٹیوں پر فوقیت دیتی ہیں۔''

''کوشش تو ہم نے بھی کی، کچھ بہو میں بھی سمجھداری ہوتی تو ناں!'' امی نے اداسی سے کہا۔

''آپ کچھ عرصہ ڈپریشن کی دوائیں لے لیں امی' میں نے انہیں سمجھایا اور امی کو تو مانو کرنٹ لگ گیا، ''کیوں میں تمہیں پاگل لگتی ہوں؟''

''اچھا میں آپ کو پاگل لگتی ہوں؟'' میں نے جواباً کہا، ''پیاری امی آپ کی یہ بیٹی چھ مہینے سے ڈپریشن کی دوائیں لے رہی ہے۔''

اور امی دہل کر رہ گئیں، ''کیوں؟ تم کو ایسا کیا روگ لگ گیا؟''

مام کی موت'' میں نے ٹھنڈی آہ بھر کر کہا، ''دیارِ غیر میں وہ سب کچھ تھیں میرے لئے، دوست ہمدرد، ماں''

''رہنے دو بڑھیا نے تنگ بھی بہت کیا،'' امی نے تنک کر کہا، ''تم تو جب اپنے لئے گولڈ بنواتیں اُسکا بھی بنواتیں ایسا تو نہ کہیں دیکھا نہ سنا۔''

میں ہنس دی، ''واقعی اُس وقت بہت بھاری پڑتا تھا،

دو چوڑی بنائی تو ساتھ مام کی بھی دو، اگلے سال گلے کی چین بنائی تو مام کا بھی دل ہو گیا۔ پھر میں نے بھی پانچ سال کچھ بنایا ہی نہیں۔ آج سوچتی ہوں تو لگتا ہے اس میں حرج ہی کیا تھا میری جیب سے تو جا نہیں رہا تھا حسیب ہی بناتے تھے اپنی ماں کو بھی بنا دیتے! بعد میں نہیں بنایا تو بھی اپنا ہی نقصان کیا، آپ یہ دیکھو آپ کو کیا مل رہا ہے، دوسرے کو بوٹی نہ ملے اس لئے اپنا بکرا بھی چھوڑ دیا، دراصل ہم عورتیں اپنی روایتی سوچ سے مجبور ہوتی ہیں، مجال ہے جو ذرا اپنے لیول سے اوپر ہو کر سوچیں۔ اللہ نے تو انسان کو خلیفہ بنایا ہے خلیفہ یعنی ایک کے پیچھے ایک آنے والا، مجھ سے پہلے یہ نعمتیں یہ وسائل کسی اور کے پاس تھے، میرے بعد کوئی اور ان کا مالک ہو گا مجھے تو تھوڑے عرصے کے لئے ان سے بہرہ مند ہونا ہے دوسرے بھی ہو لیں کیا حرج ہے؟ پھر الماری میں پڑے ہوئے سونے کے جڑاؤ کنگن ہوں یا ہیرے کے سیٹ، فلاں ملک کے فلاں شہر میں ہزار گز کا پلاٹ ہو یا کوئی لگژری فلیٹ سب برابر ہو جاتا ہے۔''

امی میری تقریر پر خاموش رہیں تو مجھے حوصلہ ہوا کہ مزید کچھ بولوں وگرنہ پہلے ایسی باتوں پر ملائیت اور غیر عملی سوچ کے طعنے مل چکے تھے،

''اچھا تو پھر آپ ایسا کریں کہ تھوڑے عرصے کے لئے کوئی قرآن فہمی کی کلاس جوائن کر لیں، بڑا اچھا وقت دیا ہے اللہ نے فراغت بھی ہے، ساری زندگی تو ہم اس وقت کا انتظار کرتے ہیں کہ بہو گھر سنبھالے اور ہم اللہ اللہ کریں۔''

''نہیں مجھ سے نہیں لی جاتیں یہ کلاسیں ولاسیں'' امی نے سختی سے رد کیا۔

''اچھا تو پھر آپ میرے ساتھ چلیں، آپ کے پاس پانچ سال کا ویزا تو ہے اور آخر بیٹی کا بھی کچھ حق ہے آپ پر'' میں نے لاڈ سے کہا،

''تم ہر حال میں بڑھیا کو سین سے غائب کرنا چاہ رہی ہو۔'' امی بھی آخر میری ماں تھیں، میں نے ہنس کر کہا،

''بڑھیا کون؟'' نظریں ادھر اُدھر دوڑائیں اور کورنش بجا لائی، امی کے آگے بیٹھتے ہوئے میں نے لاڈ سے کہا، ''آپ کی عمر کی عورتیں تو وہاں مناسب بوائے فرینڈز ڈھونڈتی پھرتی ہیں، آپ نے کیا زندگی کو روگ لگا لیا ہے، ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں۔''

امی نے مجھے ایک دھپا لگایا اور ہنس پڑیں۔

لیکن حماد اور عائشہ کے لئے یہ حل ہرگز قابل قبول نہ تھا لوگ چکی کے دو پاٹوں میں پستے ہیں میں تین میں پس رہی تھی اور تینوں ہی کی نظر میں بُری بن رہی تھی مگر سچ کہنے والوں کو عادت ہوتی ہے ہر طرف سے جوتے کھانے کی..... کیا فرق پڑتا ہے؟ وہ تو راضی ہوتا ہے جسے راضی کرنا مقصود ہوتا ہے۔

عائشہ کسی طور پر اس حل پر راضی نہ تھی اُس نے کہا، ''آپ کتنے دن اپنی والدہ کو لے جائیں گی۔ بہر حال ان کو پلٹ کر یہیں آنا ہے وہ بیٹے کی ماں ہیں اور مائیں بیٹے اس دن کے لئے تو پیدا نہیں کرتی ہیں۔'' اس کی طنزیہ ٹون کو میں بخوبی سمجھ رہی تھی۔

''اب تم یہ مت کہنا کہ یہ ماں بیٹے خوش رہیں میں

اپنے بچے کے سہارے زندگی گزار لوں گی میرا دل ٹوٹ چکا ہے۔'' میں نے اس کے کہنے سے پہلے ہی کہا اور اپنا سر پیٹ لیا'' یہ کچھ زیادہ فلمیں دیکھتی اور کہانیاں تو نہیں پڑھتی ؟'' میں نے اس کی والدہ سے سوال کیا جو ہمارے ساتھ ہی آ بیٹھی تھیں۔''حقیقی زندگی میں تو دل ایسے ہی ٹوٹتے پھوٹتے رہتے ہیں، رات کو ذرا روئے دھوئے، جوڑ جاڑ کر اگلے دن صبح پھر وہی زندگی شروع، اگر عورتیں اتنی ہی نازک مزاج ہوتیں تو چلا چکی ہوتیں گھر اور کر چکی ہوتیں بچوں کی پرورش۔''

حقیقت یہ ہے کہ میں بھی اسے سمجھاتے سمجھاتے تھوڑا جھنجھلا سی گئی تھی مگر اس لڑکی کا دل تو شاید پتھر ہو گیا تھا کہنے لگی ،''نہیں ہے مجھ میں اتنا صبر، میں عام عورتوں کی طرح نہیں ہوں، آپ پلیز اپنے بھائی سے کہیں مجھے آزاد کر دے۔''

لفظ آزاد سن کر ہی مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ اُس کی ذہنی سطح کہاں تک ہے۔اُف یہ فلمیں اور ڈرامے!

''اچھا تو پھر آزاد ہونے کے بعد کیا تیر مارو گی تم ؟'' میرا لہجہ کافی تلخ تھا، عائشہ کی امی سر جھکائے بیٹھی تھیں، نہ معلوم کیا سوچ رہی تھیں،

اُس نے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا،''بہت اچھے اچھے پروپوزل آئے تھے میرے لئے مگر میری بدنصیبی !'' پھر نہ معلوم اس کو میری آنکھوں میں کیا نظر آیا جو بے اختیار کہہ اٹھی۔

''امی بیٹھی ہیں اُن سے پوچھ لیں۔''

اُف یہ روایتی والدین کی روایتی سوچ، ضرورت کیا ہے بیٹیوں کے سامنے ایسے کہانیاں کہنے کی، میں نے تنک کر کہا،

''مجھے ضرورت نہیں ان سے پوچھنے کی، وہ ماضی تھا گزر گیا، اب اسکا کیا ذکر؟''

''کاش میرے پاس کوئی ریموٹ ہوتا میں بٹن دباتی اور پیچھے چلی جاتی،'' اُف اُسکے لہجے میں ایسی حسرت، پشیمانی کہ میں ہل گئی۔

''تم خوبصورت ہو عائشہ، مگر ہمارے معاشرے میں عورت کو ٹشو پیپر کی طرح سمجھا جاتا ہے، بس ایک بار استعمال ہو گئی ختم، مردوں کی یہ ذہنیت بھی ہم عورتیں یعنی مائیں بہنیں ہی بناتی ہیں مگر اس وقت جہاں تم کھڑی ہو حماد بہر حال بہتر ہے، آگے جس سے شادی کرو گی، بال بچوں والا ہوا تو الگ مسائل ہوں گے، بہتر نہیں اسی پر محنت کر لو۔''

اُسے گویا کرنٹ لگا،'' آپ سے کس نے کہا مجھے پھر شادی کرنی ہے؟ میرے لئے ایک ہی تجربہ کافی ہے۔''

میں نے پھر اُس کی ماں کی طرف دیکھا وہ اب بھی ویسے ہی سر جھکائے بیٹھی تھیں، میں نے انہیں مخاطب کیا،'' آپ اسے کچھ سمجھاتی کیوں نہیں؟''

''کیا سمجھاؤں؟'' انہوں نے ٹھنڈی آہ بھر کر کہا۔

''ساری غلطی ہی ہماری ہے، ایسے بھرے پرے کنبوں سے رشتے آئے تھے ہمیں لگا یہ رشتہ اچھا ہے، لے دے کے ایک ساس ہے آگے پیچھے کوئی نہیں۔''

لو جی اسے کہتے ہیں چھوٹے میاں تو چھوٹے میاں بڑے میاں سبحان اللہ میرا سر گھوم گیا تھا، امی نے لگتا ہے شکل

کے سوا کچھ دیکھا ہی نہ تھا، میں نے جل کر سوچا، کیسی سطحی سوچ ہے سارے خاندان کی!

''دیکھو، دنیا کی زندگی دراصل جنت میں داخلے کا امتحان ہے ہم یہاں یہ نہیں کہتے کہ یہ کیوں ہوا؟ ہمارے ہی ساتھ کیوں ہوا؟ بلکہ ہم جو ہو چکا اس سے بہترین نکالنے کی کوشش کرتے ہیں، آخر حد تک جا کر کوشش کرنا اور پھر رزلٹ اللہ پر چھوڑ دینا۔ ہوسکتا ہے تمہاری شادی بھرے پرے گھر میں ہوتی اور وہاں میری امی جیسی ایک ساس اور دو نندیں بھی ہوتیں تو تم کہتیں یہ تو مصیبت کئی گنا ہوگئی اس سے تو اچھا تھا ایک ساس ہی ہوتی! میں نے اپنے طور پر پھر ایک بار سمجھانے کی کوشش کی۔

''مگر میں اس سارے جھنجھٹ میں پڑوں ہی کیوں؟ نہ ساس، نہ نند، نہ شوہر، مجھے ایک ہی بار زندگی ملی ہے میں اُسے کیوں اس جھمیلے کی نذر کروں؟'' عائشہ نے پہلی بار شاید اتنا کھل کر بات کی۔ میں ایک لمحے کے لئے سوچ میں پڑ گئی اور پھر کہا،

''بات تو صحیح ہے تمہاری۔''

اب کے دہلنے کی باری اُس کی اماں کی تھی۔''لاحول ولاقوۃ کیسی باتیں کرتی ہو بیٹی، ہمارے معاشرے کی تو ساری عورتیں اس جھمیلے میں پڑی ہوئی ہیں ایسی باتوں پر طلاقیں کرائیں گے تو لوگ کیا کیا نہ باتیں بنائیں گے؟''

''تو کیا اصل میں ہم لوگوں کی باتوں سے ڈرتے ہیں؟'' میں نے ان سے سوال کیا۔

''ہاں'' انہوں نے بغیر سوچے سمجھے کہا پھر گڑبڑا کر بولیں، نہیں، میرا مطلب ہے دنیا میں آئے ہیں تو دنیا داری تو نبھائیں گے ناں!

''اور یہ دنیا داری کیا بلا ہے؟'' میں واقعی اُن سے سمجھنا چاہ رہی تھی مگر وہ سمجھیں میں طنز کر رہی ہوں اس لئے بُرا منا کر کہا۔

''کیا آپ کو نہیں معلوم دنیا داری کیا ہے؟ وہی جو اس وقت آپ یہاں کر رہی ہیں؟''

اگر وہ مجھے پوری قوت کے ساتھ اٹھا کر تھپڑ لگا دیتیں تو شاید مجھے اتنا درد نہ ہوتا جتنا اس ایک جملے سے ہوا، میں نے خاموشی سے اپنا پرس اٹھایا اور دروازے کی طرف چل پڑی، وہ اک دم گھبرا گئیں۔

''ربیعہ رکیں! میرا مقصد یہ نہیں تھا'' وہ میرے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے کہہ رہی تھیں، میں کوشش کے باوجود اپنے لہجے میں در آنے والی نمی کو نہ چھپا سکی،''میں پھر آؤں گی آنٹی انشاءاللہ۔''

گھر پہنچی تو امی منتظر ہی بیٹھی تھیں، ہر بار آتی ہو تو شاپنگ، رشتہ داروں کے جھمیلے میں پھنسی رہتی ہو، اب کی بار تو اس مسئلے نے کمبخت کسی جوگا نہیں چھوڑا۔''

میں نے کوئی جواب نہ دیا، پرس رکھا، میرا اُترا ہوا چہرہ دیکھ کر امی کہنے لگیں،''بڑے ہی کم ظرف لوگ ہیں ربیعہ، تم کیوں اُن کے پیچھے خوار ہوتی ہو، حماد کو بولو تین حرف لکھ دے اور جان چھڑائے، لڑکیوں کا کیا ہے ایک چھوڑ، ہزار ملتی ہیں، بڑا غرور ہے ان کو اپنی بیٹی کی صورت پر، طلاق کے بعد جب دو کوڑی کی اوقات رہ جائے گی تو پتا چلے گا۔''ان کے لہجے

میں تنفر ہی تنفر تھا، میں دہل کر رہ گئی۔

''ایسے نہ کہیں امی، ہم نے اللہ کو گواہ جان کر ایک رشتہ باندھا تھا، اللہ جانتا ہے ہم نے اپنی بہترین کوشش کی پھر بھی نہ نبھ سکی تو کیا ہوا، اُس کے خزانوں میں کمی تو نہیں، اللہ دونوں کے نصیب اچھے کرے۔''

''اے لو! وہ ہمیں ساری دنیا میں ذلیل کرتے پھریں اور ہم انہیں دعائیں دیں، کرن آئی تھی میرے پاس، سب بتا کر گئی ہے کیا حرکتیں کیں ماں بیٹی نے۔''

امی نے پہلی ملاقات کا حوالہ دیا۔ اُف یہ روایتی پاکستانی نفسیات! ہم طلاق سے تو خوف کھاتے ہیں کہ اللہ کو حلال چیزوں میں ناپسندیدہ ہے مگر مزے سے غیبت کر جاتے ہیں حالانکہ حرام ہے۔ مجھے لگتا ہے اللہ کا تو ہم صرف نام لیتے ہیں ورنہ طلاق سے ہم اس لئے ڈرتے ہیں کہ دوسری شادی ہونا مشکل ہے وگرنہ کہاں کا اللہ، کونسا رب؟ بس عیدین یا پھر جمعہ سے جمعہ چند ٹکڑیں مار لیتے ہیں اور جو پانچ وقت پڑھنے لگے اس کے تکبر کا تو عالم نہ پوچھیں لوگ حقیر فقیر گناہگار کیڑے مکوڑے لگنے لگتے ہیں۔ ربِ کائنات نے شریعت کے نام پر کیا بہترین میزان ہمارے حوالے کیا تھا، جاؤ اپنی زندگی کی سیاہی بھی دور کرو دوسروں کو بھی گمراہی کے گھٹاٹوپ اندھیروں میں بھٹکنے سے بچاؤ۔ ہم اس خزانے پر سانپ بن کر بیٹھ گئے نہ دوسروں کو فائدہ اٹھانے دیتے ہیں نہ خود استفادہ کرتے ہیں۔

میں نے امی کا ٹکٹ کرا لیا تھا، حماد کو پتا چلا تو بہت بگڑا،

''میں کیا کروں گا؟'' اس نے کہا،

''اپنی بیوی کو واپس لے آنا'' میں نے اطمینان سے کہا،

''وہ نہیں آئے گی، آپ کو پتا تو ہے'' اس نے بے بسی سے کہا۔

''اُس کو شکایت ہی امی سے ہے جب امی نہیں ہوں گی تو پھر؟'' بیگ بھر رہی تھی اور ساتھ ساتھ بات کر رہی تھی۔

''بات تو وہی ہوگی کہ بیوی کے لئے ماں کو نکال باہر کیا۔'' وہ پھر منمنایا۔ ''ہاں تو سچ ہی تو ہے'' امی نے تڑخ کر جواب دیا۔

''میں تو سمجھ رہی تھی عورتیں ہی ڈرتی ہیں دنیا سے یہاں تو مردوں کا بھی یہی حال ہے'' میں نے امی کی بات نظر انداز کرتے ہوئے جواب دیا۔

''تو کیا کریں؟ جنگل میں جا کر بن باس لے لیں، لوگوں کے درمیان رہتے ہیں تو لوگوں کی سننی بھی پڑتی ہے۔'' وہ کافی تلخ ہو رہا تھا۔

''لوگوں کی سنو، دل کی سنو، باپ داداؤں کے ریت رواج کی سنو ایک نہ سنو تو اللہ کی نہ سنو، اللہ خود دور پھینک دیتا ہے ایسے لوگوں کو، حوالے کر دیتا ہے ان ہی کے جن کی وہ سنتے ہیں، تمہاری اماں ڈپریشن کی مریض ہیں یہ اسکا قصور تو نہیں، حد ہے شادی کے بعد تم لوگ چھپ چھپ کر ملتے رہے، ماں بیٹے نے مل کر اتنا دبایا کہ وہ پھٹ پڑی ہے اب تم کہتے ہو وہ نہیں آئے گی ظاہر ہے کیوں آئے؟ تم اپنی اکڑ تو دیکھو، ایک تو غلطی کرو اُس پر پھنے خانی، وہ اتنی خوبصورت

ہے ویسے ہی اشارہ کرے تو دس مل جائیں اُس نے شرافت سے تم سے شادی کی بس یہی قصور ہے ناں اس کا؟''

''کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ؟'' اُس نے ناراضی سے کہا۔''کس قدر فضول بات ہے یہ،'' وہ پھر بولا۔

''کیا فضول ہے اس میں؟ میں نے سوٹ کیس سائڈ پر رکھا اور پلنگ پر چڑھ کر بیٹھ گئی،''اب وہ دور نہیں تم عورتوں کو سوچنے سے روک سکو، یہ مخلوق محض دیکھنے کی چیز نہیں، دل دماغ بھی رکھتی ہے اور اب تو انٹرنیٹ کا دور ہے، طرح طرح کے فلسفے سننے دیکھنے کو ملتے ہیں۔آپ ایک عورت کو کیسے روک سکتے ہو جبکہ وہ خوبصورت بھی ہو اور ذہین بھی کہ وہ اپنی مرضی نہ کرے سوائے اس کے کہ اُسے اللہ کا خوف ہو، روایت کی زنجیر توڑنے میں عقل کو چند لمحے درکار ہوتے ہیں یا پھر عادت کہ عادت سی پڑ گئی ہے یوں ہی جئے جانے کی۔''میں نے مزید کہا۔

''میری نندجبہ کا رشتہ آیا تھا پاکستانی فیملی سے، ہم نے منع کر دیا یہ دیسی وہاں آ کر بھی اس روایتی مردانہ پن سے پیچھا چھڑانے میں ایک دو نسلیں لگا دیتے ہیں اِلّا یہ کہ کسی گوری سے شادی کر لیں'' مجھے کہتے کہتے ہنسی آئی،''گوری کے ساتھ دو چار مہینے بھی گزار لیں تو ہمارے پاکستانی مردوں کی عقل ٹھکانے آ جاتی ہے بہر حال میں نے ماموں سے کہا ہے اُس کے والد سے بات کریں تم بھی جاؤ اُس سے ملو بلاوجہ کی اکڑ بازی نہ دکھاؤ۔'' میں نے اپنے بڑے پن کا رعب جھاڑنے کی کوشش کی۔

''وہ بھلے سے اکڑ دکھاتی رہے'' وہ بڑبڑا رہا تھا۔

''چلے جاؤ حمادی'' امی نے پیار سے کہا،''ویسے بھی حمل کے دوران طلاق نہیں ہوتی، اتنا عرصہ اور آزما کر دیکھ لو۔''

''اُف یہ امی بھی ناں!'' میں نے دل میں سوچا،''اب یہ آپ سے کس نے کہا کہ دورانِ حمل طلاق نہیں ہوتی؟'' میں نے جل کر کہا۔

''اچھا تو کیا ہو جاتی ہے؟'' امی نے فوراً پوچھا۔''میں نے تو ایک ڈرامے میں دیکھا تھا۔''

''تو کیا اب طلاق کے مسائل ڈراموں سے اخذ کیے جائیں گے؟'' میں نے چڑ کر کہا''اے لو'' امی نے کہا،''تم تو بلاوجہ غصہ ہو جاتی ہو ظاہر ہے لکھنے والوں نے سوچ سمجھ کر لکھا ہوگا۔''

''کیسی سوچ سمجھ امی، آپ کو پتا ہے فلاں بات؟ اگر آپ کہیں نہیں تو پھر وہ کہتے ہیں تو پھر ہمیں پتا ہے، یعنی اگر آپ نہیں جانتے تو پھر ہم جانتے ہیں۔آپ کا دین ہے آپ کا طریقۂ زندگی، آپ اس سے خود کو باندھیں ناں، اللہ فراموشی کا نتیجہ ہے خود فراموشی، انسان خود کو بھول جاتا، کیا اعلیٰ درجے کی مخلوق اور کیا ادنیٰ درجے کے مقاصد۔''

حماد نے چڑ کر کہا،''تو اس اعلیٰ درجے کی مخلوق کے لئے آپ کا کیا حکم ہے؟''اس کا اشارہ اپنی طرف تھا۔

''یہ اعلیٰ درجے کی مخلوق اس ادنیٰ درجے کی مخلوق کی اطاعت کرے گی'' میں نے بھی تُرکی بہ تُرکی جواب دیا۔ظاہر ہے،، بہن تو اُسی کی تھی۔

''ارے بھئی یہ کیا تم نے اعلیٰ ادنیٰ لگا رکھی ہے سیدھی

سیدھی بات کرو'' امی میں بھی صبر نام کو نہ تھا۔۔ یہ تو میں ہی جانتی تھی مجھے امی کو وہاں لے جا کر کتنا صبر کرنا تھا لیکن صحیح ہے میری تو ماں ہیں مجھ سے زیادہ کون انہیں جان سکتا ہے۔

''تم ماموں کے ساتھ جاؤ اُسے لے آؤ۔'' میں نے پھر کہا۔

''میں ایک دو بار فون پر اُس سے بات کر چکا ہوں'' اُس نے نظریں چراتے ہوئے کہا،'' وہ علیحدگی سے کم کسی چیز پر راضی نہیں۔''

''تو بھی یہی طریقہ ہے، اُسے لے آؤ ایک طلاق دو، عدت وہ یہیں کرے گی اس دوران تم دونوں ساتھ رہو تین مہینے تک رجوع نہ کیا تو پھر طلاق واقع ہو جائے گی دونوں اپنے اپنے راستے روانہ ہو جانا، اللہ کے ہاں کمی تو نہیں فرض کرو سال دو سال بعد اپنے بچے کی خاطر تم لوگ پھر ایک ہونا چاہو تو راستہ کھلا ہوگا نئی شرائط پر نکاح کر لینا۔''

''نئی نئی باتیں'' امی نے جل کر کہا،'' نکاح میں شرائط کہاں سے آ گئیں؟'' میں نے مسکرا کر کہا،'' ایگریمنٹ میں شرائط ہی تو ہوتی ہیں بس نکاح تھوڑا مقدس ایگریمنٹ ہے۔''

''اور اگر اس دوران بچہ ہو گیا تو؟'' حماد نے سوچتے ہوئے کہا۔

''تو وضعِ حمل ہی عدت کا دورانیہ ہوتی ہے۔'' میں ابھی کہہ ہی رہی تھی کہ امی نے کہا۔

''حمادی اسے بچے کے بعد ہی طلاق دینا تا کہ تین مہینے گھر میں سڑے، بڑا ڈھڈا ہے اُسے باہر گھومنے کا۔''

''اُف امی'' میں نے اپنے بال نوچ لئے، اس قدر سطحی سوچ، آپ کسی کو تنگ کرنے کے لئے کتنا گر سکتے ہو؟

''طلاق کا مقصد تنگ کرنا نہیں تنگی دور کرنا ہوتا ہے، یہ سوچا سمجھا معاملہ ہے دو عاقل و بالغ لوگ ملکر فیصلہ کرتے ہیں کسی طور نبھ ہی نہیں رہی تو ساری زندگی تھوڑا ہی برباد کریں گے۔'' میں نے کہا۔

''تو کیا غصے میں بھی طلاق نہیں ہوتی؟'' امی نے پھر ایک اعتراض کیا۔

''طلاق غصے میں دینے کی چیز نہیں لیکن اگر دے دی تو ہو جاتی ہے، اصل میں ہمیں بچپن سے سکھایا نہیں جاتا..... اپنے جذبات پر قابو پانا..... بس غصے کا مطلب ہے جو ہاتھ آئے اٹھا کر دے مارو، جو منہ پر آئے بک دو۔''

''بڑی گنجلک سی چیز ہے یہ'' حماد نے بے بسی سے کہا۔

''جس چیز سے دور ہو جاؤ گے وہ کیسے سمجھ آئے گی؟ بڑی بنیادی سی باتیں ہیں یہ، جیسے آج بچہ بچہ سائنس کو سمجھتا ہے جب اسلامی ریاست ہوتی ہے تو وہ یہ ساری'' سمجھ'' آنے والی نسلوں کو تعلیم کے ذریعے منتقل کرتی ہے تا کہ ان کی عاقبت ہی نہیں دنیا بھی سنور جائے۔''

''آپی وہ بڑی ٹیڑھی عورت ہے، اپنی بات منوانے کا خبط ہے اُسے۔'' حماد کی سوئی وہیں اٹکی ہوئی تھی۔

''ہاں تو مان لو، دو مان لو، چار منوا لو یا چار مان لو، دو منوا لو، چند ایہ زندگی ہے، گیم میں ساری شرائط تو تمہاری نہیں چلیں گی، دوسروں کو بھی کھیلنے دو'' میں نے پیار سے کہا،'' تم بچپن میں بھی ایسے ہی تھے جب ہارنے لگتے گیم ہی الٹ

دیتے ،تمہاری گوٹ پیٹتے ہوئے پسینہ آ جاتا تھا سب کو‘ سب کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی ماحول تھوڑا بہتر ہوا تو میں نے امی سے کہا۔

’’امی آج تو آپ کے ہاتھ کی چائے ہو جائے۔‘‘

’’بیٹھے بیٹھے میرے بھی پیر سن ہو گئے !‘‘امی نے اٹھ کر ذرا پیر چلائے اور باہر نکل گئیں میں نے حماد کو پیار سے اپنے پاس بٹھا کر کہا۔

’’امی پہلے بھی میرے پاس امریکہ آ چکی ہیں انہیں بڑا مزا آیا تھا،تم فکر نہ کرو۔‘‘

’’اور حسیب بھائی‘‘اس نے جھجک کر کہا۔

’’کیا حسیب بھائی ؟‘‘ میں نے اُسے چیت رسید کی ،

’’ہم ہندو تھوڑا ہی ہیں کہ بیٹی کے گھر کا پانی بھی نہیں پینا ، ظاہر ہے ساری جائیداد ہڑپ کر جاتے ہیں بہن کی ،کس منہ سے پانی پئیں گے۔‘‘میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

’’تمہارا تو ایسا کوئی ارادہ نہیں ؟‘‘ میں اُسے چھیڑنے سے باز نہ آئی۔

’’توبہ کریں آپی آپ بھی ناں‘‘ وہ جھینپ گیا بہت دنوں بعد وہ کھل کر مسکرایا تھا میں نے دل ہی دل میں اُس کی نظر اتاری اور چپکے چپکے اُس کی خوشیوں کے لئے بے شمار دعائیں کیں۔

☆☆☆

ڈاکٹر ممتاز عمر

# جرم ہے صنف نازک ہونا

گرمیوں کے دن تھے۔ دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد وہ آرام کی غرض سے لیٹ گئیں۔ شام ڈھلے اٹھیں اور نمازِ عصر کی ادائیگی کے بعد رات کے کھانے کی تیاری کی غرض سے دال چننے لگیں۔ ابھی کچھ دیر ہی ہوئی تھی کہ اچانک دال کا برتن آگے کی جانب اور خود پیچھے کی جانب گریں۔ گھر میں ایک شور مچا اور پھر کچھ ہی دیر میں ایک ٹیکسی میں ڈال کر قریب ہی ڈاکٹر کے کلینک لے جایا گیا جہاں ڈاکٹر نے کلینک کے باہر آ کر سرسری معائنے کے بعد انھیں جناح اسپتال لے جانے کا مشورہ دیا۔ ٹیکسی ایک بار پھر روانہ ہوئی اور اب کی مرتبہ منزل جناح اسپتال تھی۔

جب جناح اسپتال کی ایمرجنسی میں پہنچے تو وہ اسٹریچر پر بے حس و حرکت ساکت پڑی تھیں۔ ان کی آنکھیں بند تھیں جیسے کافی دیر سے سو رہی ہوں۔ کئی ڈاکٹر اور پیرامیڈیکل اسٹاف ان پر جھکے تھے۔ کیا کھایا تھا، کیا کسی اور کو بھی کوئی شکایت ہے، اس سے پہلے کبھی ایسی بے ہوشی ہوئی، ہر سوال کا جواب نفی میں پا کر ڈاکٹروں نے کچھ انجکشن دیے۔ سرنج میں خون نکال کر لیبارٹری بھیجا اور اسی دوران سی ٹی سکین کے لیے لے جایا گیا۔ رات نو بجے تک صورتحال واضح ہونا شروع ہوئی۔ ان کے جسم میں خون کی شدید کمی تھی اور موجودہ حالت نروس بریک ڈاؤن کی وجہ سے رونما ہوئی تھی۔ تقریباً چار گھنٹے تک ڈاکٹروں کی سرتوڑ کوشش کے بعد عاشی نے آنکھیں کھولیں۔ پتلیاں گھما کر اپنے ارد گرد کھڑے لوگوں کو پہچاننے کی کوشش کی۔ پلکیں جھپکیں، بڑی بہن اور میں نے آوازیں دیں جس پر ان کی نگاہیں ہمارے چہروں پر آ کر ٹھہر گئیں۔ پیشانی پر نمایاں شکنوں سے تکلیف کی شدت کا احساس صاف پڑھا جاتا تھا۔ مگر وہ خود اظہار کرنے سے قاصر تھیں۔ ایک آدھ مرتبہ شائبہ ہوا کہ ان کے ہونٹ ہلے ہیں مگر یہ خیال چند ہی لمحوں میں بکھر کر رہ گیا۔ انھیں ڈرپ لگی ہوئی تھی تقریباً ایک گھنٹے تک وہ پتلیاں گھما کر ادھر ادھر کے ماحول کا اندازہ کرتی رہیں پھر پلکوں نے انھیں ڈھانپ لیا۔ اس ایک گھنٹے کے عمل میں کہ وہ جب آنکھیں کھول کر ماحول کا جائزہ لے رہی تھیں میں نے یہ بات خاص طور پر محسوس کی کہ وہ اپنے شوہر پرویز کی طرف دیکھتیں تو اذیت اور کرب کا احساس مزید نمایاں ہو جاتا اور پرویز بھی ان حالات میں نظریں چرا رہا تھا۔ ڈاکٹروں نے ہمیں باہر جانے کو کہا اور خود ان کی رپورٹس کا دوبارہ مطالعہ کرنے لگے۔

میں اور باجی باہر بینچ پر آ بیٹھے۔ رات کے بارہ بج رہے تھے۔ شہر قائد اپنی تمام تر رنگینیوں کے باوجود کچھ خاموش اور بجھا بجھا سا محسوس ہو رہا تھا۔ برقی قمقموں کی روشنی پھیکی معلوم

ہورہی تھی۔ بحیرۂ عرب سے اٹھنے والی ٹھنڈی ہوائیں ماحول میں خنکی کا احساس پیدا کر رہی تھیں۔ شام چھ بجے سے ہم یہاں موجود تھے۔ کھانے اور پیاس کی حاجت نہ تھی۔ پھر بھی میں نے ثریا باجی کی طرف دیکھا اور کہا ''کچھ کھائیں گی'' وہ بولیں ''نہیں'' ۔ جی تو میرا بھی نہ چاہتا تھا مگر پھر خیال آیا ابھی رات طویل ہے جو لوگ ابتدائی طور پر آئے تھے جا چکے تھے اور اب مزید کی آمد صبح سے پہلے ممکن نہ تھی۔ میں خاموشی سے اٹھا اور قریبی اسٹال سے چائے اور بسکٹ کے پیکٹ لے آیا۔ میں تین چائے لایا تھا مگر واپسی پر پرویز کو نہ پا کر باجی سے پوچھا ''کہاں گیا'' کہنے لگیں ''تمھارے اٹھتے ہی چلا گیا تھا۔'' میں نے انھیں چائے پینے پر مجبور کیا اور بمشکل دو بسکٹ کھلانے میں کامیاب رہا۔ پھر برتن واپس کر آیا۔ ہم دونوں ایک ہی بینچ پر بیٹھے تھے مگر اس وقت بولنا محال تھا کوئی اور موقع ہوتا تو بات چیت کر کے اپنا وقت گزار لیتے مگر آج تو بے چینی اور اضطراب تھا کسی کل چین نہ ملتا تھا۔ باجی بولیں ''عاشی اب کیسی ہوگی تم دیکھ آؤ'' میں اٹھا اور پھر ان کے بیڈ کے قریب جا کھڑا ہوا وہ بے حس و حرکت ساکت پڑی تھیں۔ نرس نے کہا ''آپ لوگ ان کے پاس نہ آئیں۔ ڈاکٹر کی ہدایت ہے۔'' میں سر جھکائے باہر بینچ پر آ بیٹھا۔ باجی کے بار بار پوچھنے پر چونکا اور بولا ''وہی حالت ہے۔ نرس کہتی ہے آپ لوگ ان کے پاس نہ آئیں۔ ڈاکٹر ناراض ہوتے ہیں۔''

میں اردگرد کے ماحول کا جائزہ لینے لگا۔ تقریباً ہر بینچ پر لوگ بیٹھے تھے۔ کہیں دو اور کہیں تین چار کی صورت۔ کچھ دور ایک بینچ پر ایک برقعہ پوش خاتون گم صم بیٹھی تھیں میری نظریں ان پر جا ٹھہریں۔ میں ان کی حرکات و سکنات کا مشاہدہ کرنے لگا۔ وہ کبھی پہلو بدلتیں، کبھی اٹھ کر کھڑی ہوتیں، دو چار قدم اٹھاتیں اور پھر بیٹھ جاتیں، پھر ادھر دیکھتیں اور سر جھکا لیتیں۔ اندازہ ہوا کہ وہ تنہا ہیں اور ان کے ساتھ آیا مریض بھی اندر موت و زیست کی کشمکش میں مبتلا ہوگا۔ میں نے باجی سے کہا ''دیکھیں وہ عورت .....'' وہ بولیں ''بھیا یہ جگہ سکون اور اطمینان کی تو ہے نہیں۔ یہاں تو ہر ایک ہی اپنی پریشانی میں مبتلا ہے۔ یہ لوگ جو گفتگو کر بھی رہے ہیں تم انھیں غور سے دیکھو ان کے چہرے پر بھی بے چینی اور پریشانی نمایاں ہے۔ یہاں کون اپنی مرضی سے آیا ہے۔ سب ہی کسی نہ کسی دکھ کا شکار ہیں۔'' ہم کچھ دیر خاموش بیٹھے رہے پھر ماضی کے واقعات میری نظروں میں بڑی ترتیب سے گھومنے لگے۔ چھ سال قبل عاشی کی شادی پرویز سے ہوئی تھی۔ جب شادی کے ایک سال بعد تک کسی کو نپل کے پھوٹنے کا امکان نہ ہوا تو دائی، حکیم اور ڈاکٹر کے یہاں جانے کی نوبت آئی۔ تعویذ گنڈے کی بات بھی چلی۔ پھر ہمارے علاقے کی مشہور اور تجربہ کار ڈاکٹر پروین ملک نے عاشی اور پرویز کے ٹیسٹ کرائے۔ جب رپورٹس آئیں تو یہ دونوں ہی ڈاکٹر کے پاس موجود تھے۔ ڈاکٹر پروین ملک نے کہا ''عاشی تم تو ٹھیک ہو، ہاں پرویز تمھیں کسی ڈاکٹر سے ملنا چاہیے ممکن ہے علاج کی کوئی صورت بن جائے'' جسے سن کر پرویز سر جھکائے اپنے گھر آ گیا اور جب اس نے اپنے باپ کو ڈاکٹر کی رائے سے آگاہ کیا تو عاشی کے خسر شدید مشتعل ہو گئے اور رپورٹس

طلب کر کے اسی وقت ڈاکٹر پروین ملک کے کلینک جا پہنچے۔ غصے کی انتہا اپنے عروج پر تھی۔ منہ سے جھاگ نکل رہے تھے۔ استقبالیہ پر موجود عملے نے انھیں بٹھایا اور پھر کچھ دیر بعد وہ ڈاکٹر کے سامنے تھے۔ ان کے درمیان میز حائل تھی وہ آپے سے باہر بپھرے انداز میں چیخ کر بولے ''تم نے میرے بیٹے کو..... وہ نر بچہ ہے اگر کوئی خامی ہوگی تو اس کی بیوی میں ہو گی ۔ تم عورت ذات ہو اس لیے عورت ہی کو ٹھیک کہتی ہو۔'' ڈاکٹر ملک ابھی کچھ کہنا ہی چاہتی تھیں کہ اس نے تمام رپورٹس کے ٹکڑے کر کے میز پر اس طرح پھینکے کہ وہ پورے کمرے میں اڑنے لگے جس کے بعد وہ پاؤں پٹختا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔ گھر آتے ہی وہ دھاڑا ''پرویز ڈرنے یا دبنے کی بات نہیں، وہ تمام رپورٹس جھوٹی ہیں۔ یہ بانجھ لڑکی کیا بچے جنے گی تم فکر مت کرو، میں بہت جلد تمھاری دوسری شادی کراؤں گا اور پھر تمھاری بیوی اور ڈاکٹر دونوں کو پتہ چل جائے گا کہ تم مرد ہو۔''

عاشی نے اس واقعے کا ذکر جب ہمارے گھر میں کیا تو مجھے اُن کی ذہنیت جان کر بڑا رنج وملال ہوا۔ خواتین کا معاملہ تھا میں کچھ زیادہ بول بھی نہیں سکتا تھا کیونکہ ہمارے گھرانوں میں مشرقیت نے بعض اہم مسائل پر بھی لبوں پر مہر لگا رکھی ہے۔ وقت گزرتا رہا مگر پھر میں نے یہ محسوس کیا کہ عاشی خوفزدہ اور وحشت کا شکار رہنے لگی ہے اس کی صحت گرتی جا رہی تھی۔ میں کچھ کہنا چاہتا مگر مشرقی روایات و اقدار کی پاسداری میری زبان پر قفل لگا دیتی۔ پھر بھی میں نے ایک دو بار امی سے کہا کہ عاشی سے کہیں فکر نہ کرے۔ سچ اور حق کی جیت ہوتی ہے۔ وہ بلاوجہ خود کو کیوں گھلا گھلا کر مار رہی ہے۔ موذن کی اذان نے میرے خیالات کے تسلسل کو توڑا اور پھر جب یہ پیغام ملا کہ نماز نیند سے بہتر ہے تو میں یہ کہتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا کہ کیسی نیند، کہاں کا سونا۔ آج تو ہمارے گھرانے میں شاید ہی کوئی سویا ہو، سوائے عاشی کے جو تمام دنیا و مافیہا سے بے خبر پرسکون انداز میں سو رہی تھی۔ پھر میں مسجد کی طرف چلا گیا۔ نماز کے بعد دیر تک دست دعا بلند کیے اپنے رب سے عاشی کی زندگی کی بھیک مانگتا رہا۔ میری آنکھیں نمناک تھیں۔ دل بے قرار، زبان سے کچھ نہ کہہ پاتا تھا مگر اس یقین کے ساتھ ہاتھ اٹھائے ہوئے تھا کہ مالک حقیقی تو دلوں کے حال سے واقف ہے۔

مسجد سے واپسی پر میں نے ثریا باجی کو بینچ پر نہ پایا تو میرے قدم بے اختیار تیزی سے اٹھنے لگے میں ایمرجنسی وارڈ میں داخل ہوا۔ عاشی کے بستر کے گرد پرویز، ثریا باجی، ان کے شوہر، حنیف بھائی اور میرا چھوٹا بھائی تنویر کھڑے تھے جو ابھی کچھ دیر پہلے آئے تھے۔ عاشی نے ایک بار پھر آنکھیں کھول لی تھیں وہ ہم سب کو دیکھتی مگر اب بھی اس کے چہرے پر اذیت و کرب کی علامت، پیشانی کی سلوٹیں نمایاں تھیں۔ پھر اس کی دائیں آنکھ سے ایک آنسو رخساروں پر سے لڑھکتا ہوا کان کی طرف گرا۔ پیشانی کی لکیریں غائب ہوئیں اور ساتھ ہی آنکھیں بھی بند ہوگئیں۔ چہرہ سیدھی طرف ڈھلک سا گیا۔ قریب کھڑی نرس نے ڈاکٹر کو پکارا اور پھر ہمیں ہٹا کر ڈاکٹر اور دیگر طبی عملہ اسے اپنے حصار میں لے چکا تھا۔ کوئی نبض دیکھ رہا تھا، تو کوئی سینے کی مالش کر رہا تھا تو کسی کے

ہاتھ میں انجکشن تیار تھا مگر پھر وہ سب بے بسی و ناکامی کے نمایاں احساس کے ساتھ سیدھے کھڑے ہو گئے ان میں سے ایک ڈاکٹر بولا ''انا للہ و انا الیہ راجعون'' ہماری ہچکیاں اور سسکیاں بڑھتی جا رہی تھیں۔ میں ثریا باجی کے کاندھے پر سر ٹکائے زار و قطار رو رہا تھا۔ حنیف بھائی نے کہا ''صبر کرو صبر'' اور پھر ایک گھنٹے بعد ہم عاشی کا جسد خاکی لیے اس کے سسرال پہنچے۔

میری ماں جو طویل عرصے سے عارضۂ قلب میں مبتلا تھیں ان سے کل شام سے رونما ہونے والے واقعات پوشیدہ رکھے جا رہے تھے مگر گھر میں ہونے والی رونق سے وہ سخت پریشان تھیں بار بار پوچھتیں ''کیا ہوا ہے، ارے مجھے تو بتاؤ'' مگر گھر کے سب لوگوں نے چپ سادھ رکھی تھی۔ چھوٹے بھائی نصیر نے بتایا کہ صبح چھ بج کر دس منٹ، یعنی جس وقت عاشی نے فرشتۂ اجل کو لبیک کہا۔ امی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ وہ کہہ رہی تھیں میرا کلیجہ کٹ رہا ہے ارے دیکھو، کوئی مجھے تو بتاؤ کیا ہوا ہے۔ مگر ہم تو خود اس وقت تک بے خبر تھے۔ انھیں بلڈ پریشر کی دوائیں دیں، مگر انھیں کسی کل چین نہ آتا تھا اور کیوں کر آ سکتا تھا ان کے دل کا ٹکڑا تو ان سے جدا ہو چکا تھا۔

نمازِ ظہر کے بعد ڈولا اٹھا اور اشک بار آنکھوں کے ساتھ آخری سفر قبرستان کی طرف جا رہا تھا پھر وہ مقام بھی آ گیا جہاں زمین کے سینے کو چیر کر ایک قبر بنائی گئی تھی۔ ہم نے بڑی احتیاط سے عاشی کو قبر میں لٹا دیا۔ پھر قبر بند کی گئی لوگ باری باری مٹی ڈالتے رہے۔ پھر دعا ہوئی اور سب لوگ میری بہن کو تنہا چھوڑ کر جانے لگے۔ میں قبر کے قریب بیٹھا رہا یہاں تک کہ سب ہی چلے گئے رات بھر کے واقعات اور عاشی کے ماضی کی داستانِ غم میری نگاہوں میں گھوم رہی تھی۔ تنویر نے میرے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا ''بھائی جان! سب جا چکے آپ کب تک بیٹھے رہیں گے۔ آخر کیا سوچ رہے ہیں'' میں نے کہا ''انھیں بہو اور اسے بیوی مل جائے گی مگر میری ماں اپنی بیٹی کو کہاں تلاش کرے گی۔''

ڈاکٹر بشریٰ تسنیم

# ترا آئنہ ہے وہ آئنہ

''پھپھو جانی ! آپ میرے ساتھ زیادتی کر رہی ہیں۔'' ماریہ نے چہرے پہ بہتے آنسوؤں کو اپنے گھٹنے سے رگڑ کر صاف کرنے کی کوشش کی، ایک ہاتھ مہندی سے پُر تھا اس کے دوسرے ہاتھ پہ مہندی لگاتی سعدیہ نے بھتیجی کو دیکھا، جس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

''چلو، پھر ایک ہی کام کرتے ہیں،'' سعدیہ نے ٹشو پیپر سے اُس کا چہرہ صاف کیا۔ ''پہلے مل کر رو لیتے ہیں۔''

ماریہ، اپنی پھپھو سعدیہ کے کندھے پر سر رکھ کر رونے لگی ۔ سعدیہ نے اُس کی کمر تھپتھپاتے ہوئے ، اپنے آنسوؤں کو بھی بہنے دیا۔

لڑکیوں کا ایک گروپ شور مچاتا اندر داخل ہوا تو یہ منظر دیکھ کر پہلے تو سب چونک گئیں، مگر اشمل کی بے باک آواز نے سب کی محویت توڑ دی۔

''اچھا، مہندی لگانے کا چکر دے کر یہاں تو جذباتی سین چل رہے ہیں.....اکیلے میں، سکون سے مہندی لگائیں گے دلہن کو'' ندا نے پھپھو کی نقل اتاری۔

''کچھ بھی ہو، دلہن کو مہندی میں نے ہی لگانی ہے ۔ پورے پندرہ دن میں نے پروفیشنل کے پاس پریکٹس کی ہے۔صرف ماریہ کے لئے''

سعدیہ نے بھی چڑایا۔

دوبارہ کمرہ بند کر کے پھپھو بھتیجی مصروف ہوئیں تو ماریہ نے کہا

''پھپھو جانی ! بس بات کوئی نہیں کریں گی اسی دوران، مجھے رونا آتا ہے تو پھر میرا دل چاہتا ہے سب کچھ چھوڑ دوں۔''.....وہ ابھی سے روہانسی ہوگئی لیکن وہ سعدیہ ہی کیا جو خاموش رہ جائے۔اپنی بھتیجی کو وہ زندگی کے نشیب و فراز، اپنے تجربات و مشاہدات اس طرح منتقل کر دینا چاہتی تھی کہ وہ سیکھی رہے۔

کچھ دیر تو دونوں خاموش رہیں .....مگر دو عورتیں جمع ہوں اور وہ بات نہ کریں چونکہ ایسا مشکل ہے سو یہاں بھی یہی ہوا۔

''ماریہ! سسرال جا کر، خود سے کوئی کام نہیں کرتے نہ تعلقات بناتے ہیں سسرالی رشتہ داروں سے خصوصاً جو ذرا دور کے رشتہ دار ہوتے ہیں۔ بہت احتیاط رکھنی پڑتی ہے۔''

''کیسی احتیاط'' ماریہ نے آہستہ سے پوچھا۔

''کون آپ کا خیر خواہ ہے کون بدخواہ یہ نہیں پتہ چلتا نا! پہلے خاموشی سے دیکھو، غور کرو ساس نندیں کن کے آنے سے خوش ہوتی ہیں اور کن کے آنے پر وہ ناگواری محسوس کرتی ہیں۔'' سعدیہ نے ہاتھ سے بازو کی طرف مہندی کا ڈیزائن منتقل کرتے ہوئے کہا۔

''زیادہ سننا، کم بولنا۔''

'' پھپھو آپ مجھے اتنے دنوں سے نصیحتیں ہی کئے جارہی ہیں ۔ مجھے تو ابھی سے ہی بھول گئی ہیں ۔بس یہ والی ہی یاد ہے کہ زیادہ سننا، کم بولنا اور خود سے تعلقات نہ بنانا۔ بڑی عجیب سی زندگی لگ رہی ہے مجھے تو یہ.....'' ماریہ کچھ بیزار سی ہوگئی ۔ پھول ، پتیاں ہاتھ پہ بنتی جارہی تھیں ساتھ ساتھ سعدیہ کا دل اپنی بھتیجی کی محبت میں بے تاب سا ہورہا تھا۔ اُس نے پہلو بدلتے ہوئے ماریہ کو بھی آرام دہ اندازِ نشست سے بیٹھنے کی تلقین کی۔

''ماریہ! میں نے پوری کوشش کی کہ بحیثیت پھپھو کے تمہیں پوری محبت شفقت دوں، خیرخواہی کروں تاکہ جب تم سسرال جاؤ تو اچھی یادیں تمہاری زندگی میں تازہ ہوا کے خوشگوار جھونکے کی طرح محسوس ہوں۔ننھیال اور ددھیال کے رویے، سلوک اور ان رشتوں سے وابستہ یادیں ہی در اصل لڑکی کا جہیز ہوتا ہے۔ان یادوں کو قیمتی ہی بنانا چاہیے۔ یہی سرمایہ ساری عمر ساتھ رہتا ہے۔ ماریہ! تم مجھے کیسا یاد کرو گی؟''

''پھپھو جانی ! آپ تو میرے لئے ہمیشہ ڈھال بنی رہی ہیں ۔ دادی جان یا امی سے ڈانٹ پڑتی ، یا چچی جان امی کی مخاصمت میں ہمارے خلاف دادی جان کو بھڑکاتی تھیں تو آپ ہی ہماری صفائی پیش کرتی تھیں ۔آپ سے میں نے بہت کچھ سیکھا ہے ۔آپ نے ہماری بدتمیزیوں ، شرارتوں اور نافرمانیوں کے باوجود بھرپور محبت دی اور نہ ہی کبھی ہماری شکایتیں ہمارے امی ابو سے کیں آپ نے یہ کیسے سوچ لیا کہ میں آپ کو ایسا ویسا یاد کروں گی؟ مجھے کوئی بات ایسی یاد نہیں کہ جو مجھے ناگواری کے ساتھ یاد آئے.....'' ماریہ کا دل بھر آیا۔

دونوں کے دل اداس تھے ، ان جانے تفکرات سے گھرے ہوئے ۔اجنبی لوگوں میں جاکر رہنا کتنا مشکل ہوتا ہے۔ پھر جب ہر طرف ناقدانہ نگاہوں کا حصار بھی ہو۔

دوسرے ہاتھ پہ بھی مہندی لگ چکی تو سعدیہ نے تھوڑا دور ہوکر ماریہ کے دونوں ہاتھوں کا جائزہ لیا۔

''ہاں جی! کیسی لگ رہی ہے؟''

ماریہ نے بھی دونوں ہاتھوں کو الٹ پلٹ کر دیکھا۔

''بہت اچھی ہے ۔آپ نے لگائی اس لئے اور بھی اچھی ہے''

''پاؤں پہ بھی لگادوں؟ یا تھوڑا ٹھہر کر لگاؤ گی؟''

''پھپھو! جب ہاتھ کی مہندی خشک ہو جائے گی تب ٹھیک رہے گا۔''

''ہاں ! اب تم بہت تھک گئی ہو ۔تھوڑی دیر لیٹ جاؤ۔''

سعدیہ نے اس کی کمر کی پشت پہ دو تکیے رکھے تاکہ وہ ٹیک لگا کر نیم دراز ہوجائے۔

''اچھا، ماریہ میں دیکھوں بچے کیا کررہے ہیں؟ جب تک مہندی بالکل خشک نہیں ہوتی کوئی بچہ تمہارے پاس نہ پھٹکے۔''

''پھپھو! آپ دروازہ بند کرتی جایئے گا۔''

سعدیہ کو جاتے جاتے خیال آیا کہ ماریہ سے کچھ کھانے

پینے کا پوچھ لے۔

''ماریہ! بیٹا، تمہارے لئے جوس لے آؤں؟''

''نہیں! پھپھو بس تھوڑی دیر لیٹوں گی''

''اچھا ٹھیک ہے''

ماریہ کی سوچیں پھر اپنے ہونے والے سسرال کے بارے میں ابھرنے لگیں ۔ پتہ نہیں وہاں لوگ کیسے ہوں گے؟ پھپھو جانی جیسے، چچی جان جیسے یا میری امی جیسے..... اور عمر مصطفیٰ پتہ نہیں کیسے شوہر ہوں گے۔ ابو جیسے یا تایا جان کی طرح یا چچا جان کی طرح ۔اللہ کرے بہت اچھے ہوں۔ادھر امی خاموش طبع ، درگذر کر دینے والی خاتون ہیں۔ پھپھو بہت تعاون کرنے والی ، جذبات کو سمجھنے والی ہیں۔مگر چچی جان اور طرح کی ہیں .....مشکل مزاج رکھنے والی..... مگر پتہ نہیں کیوں سب یہ جانتے ہیں مگر ان سے ڈرتے ہیں۔انہی کی چلتی ہے۔تائی جان بھی کوئی مداخلت نہیں کرتیں۔تائی جان کو تو جیسے کوئی فرق ہی نہیں پڑتا..... امی کو کب فرق پڑتا ہے۔اُف! وہاں بھی تو مجھ سے بڑی دو بہوئیں موجود ہیں ..... دیکھنے میں تو اچھی لگتی ہیں مگر دیکھنے میں تو چچی جان بھی بہت اچھی لگتی ہیں۔مگر دوسروں کی عزت نفس کے پرخچے اڑانا تو ان کے لئے معمولی بات ہے۔کسی کو اپنے سے بہتر مقام پہ دیکھنا ان سے برداشت ہی نہیں ہوتا..... میری منگنی والے دن ان کا انگ انگ حاسدانہ جذبات کی ترجمانی کر رہا تھا.....بھئی اگر اپنے گھر کی بیٹی بہتر گھرانے میں بیاہی جا رہی ہے تو خوش ہونا چاہیے نہ کہ..... توبہ ہے! میں بھی کن چکروں میں پڑ گئی ہوں۔ جو ہوگا دیکھا جائے گا.....اللہ تعالی بس میری وجہ سے میرے ماں باپ کو سرخرو ہی رکھے۔اُس نے آنکھیں موند لیں اور پھر جلد ہی اس کی آنکھ لگ گئی۔

سعدیہ نے اپنے تینوں بچوں کی طرف سے تسلی کی اور ماریہ کی امی کو دیکھنے نکلی..... وہ رات کے لئے کھانے اور مہمانوں کے لئے نشست گاہ تیار کرا رہی تھیں۔

''ثمینہ بھابھی! یہ سب میں کر لیتی ہوں۔آپ تھوڑی دیر ماریہ کے پاس جا کر بیٹھئے ۔پھر آپ کو یہ موقع نہ ملے گا۔ کل سویرے ہی وہ بیوٹی پارلر جائے گی شام تک ہی لوٹے گی.....آج رات کو ویسے ہنگامے چلتے رہیں گے۔'' سعدیہ نے بھابھی کے کندھوں پر پیار سے دباؤ ڈالا۔

''سعدیہ! میں صبح سے ماریہ کی شکل دیکھنے کو فرصت تلاش کر رہی ہوں.....تم کتنی اچھی ہو ہمیشہ میرا خیال رکھتی ہو۔'' ثمینہ نے ممنونیت سے نند کو دیکھا۔

ثمینہ نے کمرے کا دروازہ آہستہ سے کھولا ، کمرے میں ممہندی کی خوشبو رچی ہوئی تھی۔ ماریہ کے ہاتھوں سے مہندی خشک ہو کر اُس کے اردگرد قالین پر بچھی چادر پہ بکھر رہی تھی اور وہ پرسکون سی لگ رہی تھی۔کسی کے قرب کے احساس سے ماریہ کی آنکھ کھل گئی۔

''اوہ! امی آپ.....''

ثمینہ بیٹی کے پاس ہی بیٹھ گئی ماریہ نے اپنا سر ماں کی گود میں رکھ لیا۔

ثمینہ کی کیفیت بالکل ایسے ہو رہی تھی جب امتحان گاہ میں پرچہ حل کر کے ممتحن کو دینے سے پہلے ہوتی تھی۔ پرچہ حل

تو کرلیا ہے۔اب جو ہوگیا اُسی کے نمبر لگیں گے۔مزید کچھ لکھنے کی مہلت ختم ہوگئی ..... بیٹیاں بھی تو امتحانی پرچے ہوتی ہیں اور سسرال والے ممتحن ، ماریہ کل سسرال سدھار جائے گی۔ پتہ نہیں کون ، کس بات پہ خوش ہوگا۔میری تربیت کی کون قدر کرے گا۔پتہ نہیں کتنی قدر کرنے والے ہوں گے۔ ممتحن اور طالب علم کی ذہنی ہم آہنگی ہو تو اچھے نمبر ملنے کی امید ہوجاتی ہے۔

ثمینہ بیٹی کے بالوں میں پیار سے انگلیاں پھیر رہی تھی..... سوچیں لا متناہی ہوتی جا رہی تھیں ۔ کمرے میں گھمبیر خاموشی تھی۔ دیوار پہ لگے کلاک کی ٹک ، ٹک اور ماں بیٹی کے دل کی دھڑکن ہم آواز محسوس ہو رہی تھی ۔صحن اور برآمدوں سے لوگوں کی آتی آوازیں نامانوس سی لگ رہی تھیں۔ شادی والے گھر میں ابھی ہنگامے عروج پہ نہیں تھے ۔سب رشتہ دار ایک ہی شہر میں تھے۔تقریب بھی شادی ہال میں ہونا تھی۔آج رات کو ماریہ کی سہیلیاں اور رشتہ دار بہنیں جمع ہوکر کچھ ہلاّ گلا کرلیں گی ،ثمینہ نے سوچا۔

''امی! میں آپ کے بغیر کیسے رہوں گی؟''

''بیٹا! میری شادی کے وقت اگر میری ماں زندہ ہوتی تو شاید میں بھی یہی سوال ان سے کرتی۔ثمینہ کا دل محرومیوں کی آماجگاہ تھا اس وقت..... یہ سوال شاید ہر لڑکی اپنی ماں سے کرتی ہے ..... اور پھر ہر لڑکی ماں کے بغیر رہ بھی لیتی ہے۔'' ثمینہ شاید اپنے آپ کو تسلی دے رہی تھی کہ وہ بے یقینی کی اُس کیفیت میں مبتلا تھی جو پرچے کو ممتحن کے حوالے کرتے وقت ہوتی ہے۔کیا تو اچھا ہی ہے اب آگے اللہ مالک ہے۔وہی جملہ اُسے تسلی دینے کو حاضر تھا..... ہاں! اللہ ہی سب کا وارث اور مالک ہے۔

''وارث!'' یہ لفظ ثمینہ نے زندگی میں نہ جانے کتنی بار سنا۔

''بے چاری! کتنی چھوٹی عمر میں لا وارث ہوگئی۔اللہ سب کا وارث ہے''

''امی!'' ماریہ کی آواز پر ثمینہ چونک سی گئی۔

''ایک بات کبھی میری سمجھ میں نہیں آئی۔''

ثمینہ کو معلوم تھا وہ کیا پوچھے گی.....وہ جب سے سمجھدار ہوئی تھی نہ جانے کتنی بار یہ سوال پوچھ چکی تھی۔

''ہاں! بولو.....''

آپ اتنی چپ اور خاموش کیوں رہتی ہیں؟ آپ پہ لوگ کتنی زیادتیاں کرتے ہیں، آپ کیسے ان کے ناروا سلوک کو برداشت کرتی ہیں؟ کیا زیادتیاں برداشت کرنا ثواب کا کام ہے؟ آپ.....''

اُس کے مزید کچھ کہنے سے پہلے ہی ثمینہ بولی۔

''ماریہ بیٹا! دنیا میں اسی کی عزت اور قدر ہے۔جس کی پشت پہ مضبوط سہارا ہو ..... دیکھو ، میرے ماں باپ میرے بچپن میں ساتھ چھوڑ گئے بلکہ باپ کا تو میں نے صرف نام ہی سنا ہے۔میری پیدائش سے پہلے وہ دنیا چھوڑ چکے تھے ..... بھائی کوئی نہیں تھا بلکہ بہن بھی نہیں تھی ..... ماموں ، چچا کے گھروں میں پلنے والے بچے یا تو باغیانہ روش کے ہوتے ہیں یا پھر خاموش۔بمشکل انٹر کیا تو نکاح کر دیا گیا .....اُس آدمی سے جو اپنے گھر میں کوئی حیثیت نہ رکھتا تھا۔

''ذہنی طور پر کمزور .....'' اُسے یہ کہتے ہوئے سخت جھجک مانع رہی کہ وہ ماریہ کے باپ کو پاگل یا ابنارمل کہے..... پھر تین بیٹیاں ..... بیٹا بھی دیا اللہ نے مگر ایک سال کا ہوا تو وہ بھی واپس لے لیا کاروبار میں سرمایہ تینوں بھائیوں کا برابر تھا..... یہ بھی احسان تھا بھائیوں کا کہ وہ اس کی فیملی کو گزارے لائق رقم دے دیتے تھے..... عامرہ بھابھی کا دم غنیمت ہے۔ سعدیہ نے میرا بہت ساتھ دیا مگر آمنہ نے جتنا میرا دل دکھایا ہے وہ بہت نا قابل بیان ہے۔ تمہاری دادی مرحومہ نے مجھے ہمیشہ آمنہ کے سامنے حقیر جانا۔ میں نے بہت صدمے سہے ہیں ..... جذباتی صدمے ..... اللہ کرے میری بیٹیاں سدا شاد آباد اور سکھی رہیں۔'' ثمینہ کے دل سے ایک آہ سی نکلی۔

وہ ماریہ کو یہ سمجھانا چاہ رہی تھی کہ وہ بھی کسی مضبوط پشت پناہ سے محروم ہے نہ کوئی ننھیالی قریبی رشتہ دار ہے، نہ بھائی ہے۔ باپ بھی کمزور حیثیت کا ہے۔ چچا، تایا کے حالات اُس کے سامنے ہیں۔ اُسے اپنی دو چھوٹی بہنوں کو سامنے رکھتے ہوئے ہر حال میں سسرال میں نباہ کرنا ہے..... مگر وہ جس طرح بھی اس بات کو کہتی ماریہ کو بُرا ہی لگنا تھا۔ وہ ماں کی قوت برداشت پہ ہی ہر وقت رنجیدہ رہتی تھی۔

''امی! پتہ نہیں لڑکیاں شادی کے نام پہ خوش کیسے ہوتی ہیں؟ مجھے تو بس ڈر ہی لگ رہا ہے'' ماریہ نے بہت ہراساں ہو کر اماں سے پوچھا۔

مختلف مزاجوں کے رشتہ داروں میں دو دو سال کر کے رہنے والی ثمینہ کو وقت نے بہت کچھ سمجھا رکھا تھا۔ سسرال میں بھی مزاجوں اور رویوں کے فرق نے اور اپنی کمزور حیثیت کے حوالے سے وہ بہت محتاط ردعمل کی عادی ہو چکی تھی۔

''ماریہ! کس بات کا ڈر ہے تمہیں؟'' وہ انجان سی بن گئی۔

''ناقدری کا'' ماریہ کے لہجے میں ہزار شکوے موجود تھے۔ ماں کے ساتھ سلوک کے حوالے سے وہ بہت دل گرفتہ تھی۔

ثمینہ نے ایک گہرا سانس لیا، ہر ماں اپنے بچوں کے لئے بہتر ہی سوچتی ہے۔ مگر مقدر اور نصیب سے تو کوئی نہیں لڑ سکتا نا! اور نہ ہی ہم.....''

کمرے کا دروازہ کسی نے بے صبری سے کھولا، اور ماریہ کی کلاس فیلوز آندھی طوفان کی طرح اندر داخل ہوئیں۔

کمرے کا ماحول یکدم تبدیل ہو گیا۔ بوجھل اور اداس سی سوچیں ہنسی اور کھلکھلاہٹ میں بدل گئیں۔ ثمینہ کو سلام کرتے ہی وہ ماریہ کی طرف متوجہ ہو گئیں۔ ماریہ کی مہندی پر تبصرے ہونے لگے۔ کپڑوں، جیولری جوتے کی باتیں جو اس ماحول اور موقع کی مناسبت کے عین مطابق تھیں۔

ثمینہ، بیٹی کے بہتر مستقبل کی دعائیں کرتی کمرے سے باہر آ گئی۔

رات کے کھانے، اگلے دن نکاح، کھانے اور رخصتی کے مرحلے تک ثمینہ ہر پل خیریت کی دعا مانگتی رہی ..... ماریہ کی نسبت طے ہونے سے رخصتی تک کا مرحلہ اس نے جیسے کسی خاردار راستے پر طے کیا ہو..... معاشرے میں کمزور عورت کی

زندگی کس قدر بے یقینی کا شکار رہتی ہے۔ وہ خوشی پہ خوش بھی نہیں ہوسکتی۔ ہزار اندیشے اور لوگوں کی ناقدانہ نظریں اس کا پیچھا کرتی ہیں۔

ماریہ رخصت ہو کر پھولوں سے سجی گاڑی میں بیٹھی تو ماں کا دل فرض کی ادائیگی پہ اتنا مطمئن نہ تھا جتنا مستقبل کے اندیشوں سے لرز رہا تھا۔ حالانکہ اس کی بیٹی میں کسی چیز کی کمی نہ تھی۔ تعلیم، حُسن، تربیت..... دراصل وہ تربیت والے معاملے میں ہی بے قرار تھی ..... پرچے کے اس سوال کا جواب ممتحن کو پسند آتا ہے یا نہیں؟ بیٹی بھی تو ناقدری کے احساس کا خوف لے کر رخصت ہوئی ہے۔

''یا اللہ! میری بیٹی کو سکھی رکھنا.....'' وہ کیسے شادی ہال سے گھر پہنچی اس کو کچھ یاد نہ تھا.....سعدیہ تو ماریہ کے ساتھ ہی گئی تھی۔

''دلہن کو اس کے کمرے تک پہنچا آؤ'' فہمیدہ رضا نے اپنی دونوں بڑی بہوؤں سے کہا شہلا اور عائشہ دلہن کو لے کر اس کے کمرے کی طرف جانے لگیں تو سعدیہ بھی بھتیجی کا بیوٹی بکس اور ضروری سامان سے بھرا بریف کیس لے کر ساتھ چل پڑی۔

دلہن کا کمرہ تازہ پھولوں سے خوبصورتی اور مہارت سے سجایا گیا تھا۔ نئے فرنیچر، نئے قالین اور پھولوں کی مہک سے ایک خاص دل کو چھو لینے والا ماحول غالب تھا۔

سعدیہ نے دل کی گہرائیوں سے بھتیجی کے لئے دعا کی، اس کی زندگی پھولوں کی طرح مہکتی رہے دلہن کو مسہری پہ بٹھایا گیا اور حسب معمول لڑکیوں کی چھیڑ چھاڑ شروع ہوگئی۔

''عمر بھائی تو دلہن کو دیکھ کر اپنے حواسوں میں نہیں رہے تھے شادی ہال میں''

شہلا نے ماریہ کا دوپٹہ سیٹ کرتے ہوئے کہا.....

''اور کیا.....ابھی بھی دس مرتبہ پوچھ چکے ہیں کہ میں کب تک یہاں بیٹھا رہوں گا؟''

عائشہ نے سائڈ ٹیبل پہ پھولوں کی ٹرے رکھ کر ہنستے ہوئے کہا۔

سعدیہ خاموشی سے ماریہ کو دیکھ رہی تھی.....

''شادی کی پہلی رات لڑکی کے لئے کتنی ناقابل فہم، ناقابل یقین اور ناقابل بیان ہوتی ہے۔'' سعدیہ کو اپنا وقت یاد آ گیا، نئی زندگی کا نقطۂ آغاز.....نئی زندگی کا دروازہ..... جیسے موت کے بعد دوسری زندگی کی پہلی رات قبر میں ..... اُف! سعدیہ کو جھرجھری سی آ گئی.....اس نے پہلو بدلا ..... میں بھی کہاں سے کہاں پہنچ جاتی ہوں.....

''ماریہ! عمر بھائی کی باتیں سنو گی تو بس حیران ہی ہوتی رہو گی''

شہلا نے اس کے لہنگے کی گوٹ کو سیدھا کرتے ہوئے کہا۔

''افلاطون ہیں پورے..... ہمارے تو سر کے اوپر سے گزر جاتی ہیں ان کی باتیں.....چار دن بعد سمجھ آتی ہے''..... عائشہ پلنگ کے پاس پڑی کرسی پہ بیٹھتے ہوئے بولی۔

''ابا جان تو کہتے ہیں حکیم لقمان ہے ہمارے گھر کا۔'' شہلا اور عائشہ اپنے دیور کے بارے میں معلومات دے رہی تھیں۔

ماریہ نے نظر اٹھا کر سامنے بیٹھی پھپھو کو دیکھا ..... وہ کسی سوچ میں گم اپنے ناخن کریدرہی تھیں۔

اسی وقت فہمیدہ رضا اور رضا مصطفیٰ کمرے میں داخل ہوئے۔ دونوں نے دلہن کو دعائیں دیں اور لڑکیوں کو اپنے اپنے کمرے میں جانے کو کہا، سعدیہ بھی ان کے ساتھ ہی باہر چلی گئی۔

''بیٹا ماریہ! ہر ماں اپنے بیٹے کی تعریف کرتی ہے۔ اب وہ تعریف کے قابل ہے یا نہیں اس کا فیصلہ تم نے کرنا ہے۔'' فہمیدہ رضا نے بہت پیار سے ماریہ کا ہاتھ تھام کر کہا۔

''وہ بہت منفرد ہے، بہت الگ سوچ رکھنے والا ..... شاید تمہیں عجیب لگے۔ لیکن مجھے یقین ہے تم اس کو جلد سمجھ لو گی.....''

بیٹے کی محبت میں ان کا لہجہ بھیگا بھیگا سا ہو رہا تھا۔ رضا مصطفیٰ نے محض اسکے سر پر ہاتھ رکھا اور باہر نکل گئے۔ جو کچھ کہنا تھا ان کی بیگم نے ہی کہنا تھا۔

پتہ نہیں اُس نے اثبات میں سر بھی ہلایا یا نہیں۔ وہ بالکل خالی الذہن ہونے کے باوجود سر کو بوجھل محسوس کر رہی تھی .....فہمیدہ رضا سمجھدار، جہاں دیدہ خاتون تھیں، لوگوں کو پرکھنے کا ان میں خاص ملکہ تھا۔ ماریہ کا انتخاب بھی ان کی اسی قابلیت کا نتیجہ تھا.....

ثمینہ رات بھر بے چین و بے قرار رہی۔ کب صبح ہوگی؟ بار بار گھڑی دیکھتی اور دل کی اتھاہ گہرائیوں سے نکلی دعائیں آنسو بن کر ہتھیلیوں میں جذب ہوتی رہیں۔ ماں کو کسی حالت میں قرار نصیب نہیں ہے۔ اولاد کی شکل میں ایک بے تاب جذبہ نہ دن کو چین لینے دیتا ہے نہ رات کو آرام۔ بچہ کسی عمر میں ہو، دور ہو یا نزدیک ہو، ماں کی روح کو مضطرب ہی رکھتا ہے۔ خوش ہو تو یہ خوف کہ کہیں خوشی کو کوئی چھین نہ لے۔ اولاد رنجیدہ ہو تو ماں کا بس نہیں چلتا کہ اولاد کا رنج کس طرح خوشی میں بدل دے۔ حالانکہ خوشی و غم کے سارے پیمانے اُس قادر مطلق نے ناپ تول کر سب انسانوں میں تقسیم کر رکھے ہیں ..... کہیں ماں باپ بے بس ہیں تو کہیں اولاد بوڑھے والدین کی معذوری کے سامنے لاچار ..... ایک دوسرے کی آزمائشوں کے بہانے ہیں۔ کون، کہاں، کب اور کیسے ان پرچوں کو حل کرتا ہے، کون بہتر رویے اور عمل سے بازی لے جاتا ہے۔

فجر کی اذان ہوئی تو ثمینہ جائے نماز پہ بیٹھی راز و نیاز میں گم تھی۔ التجاؤں اور دعاؤں میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔ دنیا کی ہر ماں اپنی اولاد کے لئے ہر خوشی کی آرزو، تمنا رکھتی ہے اپنے لئے کچھ نہیں مانگتی بس اولاد کی خوشیاں ہی مانگتی ہے۔ مگر ساری دعائیں کہاں پوری ہوتی ہیں۔ ماں کا بے شک بہت بڑا درجہ ہے اس کی دعا کی بہت اہمیت ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کی حکمتوں کو کوئی نہیں جان سکتا۔ دنیا میں بندے کا کام مانگنا ہے ..... عطا کرنا اُس کی حکمت، اس نے بہت سی دعائیں رد کر دیں اور مرضی پہ موقوف ہے کہ وہ دعا کو کس شکل میں اور کب شرف قبولیت بخشتا ہے۔ کیونکہ وہ اپنے بندوں پر ستر ماؤں سے زیادہ رحیم و کریم ہے۔

''یا اللہ! مجھ پہ اور میری اولاد پر کوئی ایسا بوچھ نہ ڈالیو جو برداشت سے باہر ہو۔ میں ہر اس گناہ کی معافی مانگتی ہوں

جوانجانے میں ہوا یا جان بوجھ کر اور جس کا وبال میری اولاد کو دیکھنا پڑے۔ یااللہ! میری حیثیت بھی آپ کی نگاہ میں ہے میرا ظاہر بھی اور باطن بھی.....میری طلب اور آرزو سے بھی تو واقف ہے۔بس مجھے مایوسی کے اندھیروں سے نکال کر امید و یقین کی روشنی میں لے آ.....میرے رب میرے دکھی دل کو قرار نصیب کر دے۔'' ماں اپنے سارے دکھوں اور محرومیوں کا ازالہ اولاد کی خوشیوں میں دیکھنا چاہتی ہے۔

کمرے میں بچیوں کا والد بے خبر سو رہا تھا۔ ساتھ والے کمرے میں دونوں بیٹیاں سو رہی تھیں.....گھر میں کوئی خاص لوگ نہ تھے۔شادی ہال سے ہی سب لوگ اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے تھے۔ رات کو ہونے والا ولیمہ بھی شادی ہال میں ہی تھا۔

وجیہہ وشکیل ،عمر مصطفیٰ نے ماں کی ہدایت کے عین مطابق نئی نویلی دلہن کے سامنے کوئی بھی فلسفہ بگھارنے کی کوشش نہ کی۔

''دنیا میں نکاح کے دو بول سے بڑھ کر کوئی بول دو دلوں کو قریب لانے کا باعث نہیں ہوتے۔''

اس کا ثبوت دیتے ہوئے دولہا دلہن کے چہرے پُر رونق تھے۔ وہ صبح بہت خوبصورت تھی۔جب شہلا اور سعدیہ دونوں کا ناشتہ لے کر کمرے میں گئیں تو سکون کا گہرا احساس پورے کمرے میں چھایا ہوا تھا۔شرمائی شرمائی سی ماریہ نے پھپھو سے اپنی ماں سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کی۔اسی وقت موبائل کی بیپ نے دونوں کو متوجہ کیا۔ثمینہ کا ہی فون تھا۔

''سعدیہ! ماریہ کیسی ہے؟'' بے قراری کی انتہا تھی..... جیسے ساری رات کا مسافر منزل آجانے کا یقین کرنا چاہتا ہو.....

''بھابھی! ماریہ بہت ٹھیک ٹھاک ہے۔لو ماریہ بات کرو'' سعدیہ کی آواز میں مطمئن احساس غالب تھا۔

اسی اثناء میں عمر مصطفیٰ واش روم سے تولیے سے چہرہ رگڑتا نکلا،سعدیہ کو سلام کیا اور ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے جا کر کھڑا ہوگا۔عقب میں ماریہ نظر آرہی تھی۔

''امی! میں بالکل ٹھیک ہوں۔آپ کیسی ہیں؟ رات کو نیند آگئی تھی آپ کو؟ جویریہ اور زینب کیسی ہیں؟''

''پھپھو سے بات کیجئے.....'' اُس کو سمجھ نہ آئی کہ وہ عمر مصطفیٰ کے سامنے ماں سے اور کیا بات کرے۔بس ماں بیٹی ایک دوسرے کی آواز سن کر شانت ہوگئی تھیں۔

سعدیہ موبائل لے کر کمرے سے باہر آگئی۔

رات کو شہر کے بہترین انتظام کرنے والے شادی ہال میں دعوت ولیمہ کی گہما گہمی اپنے عروج پہ تھی۔

رنگ برنگے خوبصورت مہکتے لباس میں ہر عمر اور قد بت کی خواتین ، بچوں سمیت نت نئے میچنگ زیورات کی نمائش میں کوشاں تھیں.....کھانوں کی ملی جلی خوشبو ہر سو پھیلی ہوئی تھی۔اس سارے ماحول میں ظاہری آوازوں، رویوں کے ساتھ لوگوں کے باطنی احساسات بھی غیر محسوس طریقے سے گھل مل رہے تھے۔ ہر بات، ہر کام اور ہر چیز پہ اعتراض برائے اعتراض، محبت کے انداز، کینہ اور حسد کے جذبات، حسرت بھری آہیں رشک بھرے جملے ، رشتہ نہ نبھنے کے

امکانات ..... اور کچھ مخلص دلوں میں رشتہ نبھ جانے کی دعائیں! ہر شریک محفل اپنے ظرف کے مطابق اپنا احساس اور عمل ریکارڈ کروا رہا تھا۔ کچھ ریکارڈ دکھاوے کے لئے تھے، اور کسی کو احساس نہ تھا کہ باطنی احساسات اور نیتوں کے ریکارڈ کسی اور وقت کے لئے بھی محفوظ ہو رہے ہیں۔ ہر کوئی ظاہر و باطن کے پرچے حل کر کے اپنے اپنے گھر روانہ ہو گیا۔

رضا مصطفیٰ کا چھوٹا بیٹا عمر مصطفیٰ جو بچپن سے ہی سنجیدہ مزاج اور شائستہ طبیعت کا مالک تھا، اعلیٰ تعلیم کے لئے برطانیہ گیا تو ''مسلم برادر ہڈ'' تنظیم سے وابستہ ہونے پر برادر ابو حارث کی تربیت نے اُس کو چار چاند لگا دیئے۔ اُسے شعور حیات کا ایسا جامِ طہور پلایا گیا کہ اُس کے فکر و شعور کا پرندہ اونچی اڑان کے لئے پر تولے رکھتا تھا۔ بہت دور افق پہ وہ اڑان جو شاہین بچوں کو بال و پر عطا ہونے کا نتیجہ ہوتی ہے۔

رات گئے دعوت ولیمہ سے واپس آ کر جب ماریہ اپنے کمرے میں لائی گئی تو عمر مصطفیٰ پہلے سے وہاں موجود تھا..... گہرے نیلے اور فیروزی رنگوں کے خوبصورت امتزاج پہ نفیس کام، میچنگ جیولری، دلہن کو نیا روپ عطا کر رہی تھی۔ عمر مصطفیٰ نے اپنی دلہن کو محبت سے دیکھا، وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے آ کر خود کا جائزہ لینے لگی،

''ماریہ مصطفیٰ تم بہت خوبصورت ہو،'' عمر نے آئنے میں جھانکا، ماریہ نے مسکرا کر اُس کی طرف مشکور نگاہوں سے دیکھا۔

عمر نے دل میں سوچا کہ وہ ماریہ کو بتائے یا نہیں کہ وہ چاہتا ہے کہ وہ اسی ماریہ مصطفیٰ کی طرح بن جائے جو بہت خوبصورت تھی، جس کا تعلق مصر کے علاقے سے تھا..... اور اس ماریہ مصطفیٰ کے ساتھ نسبت بنانے سے ویسی عادات اپنانے سے اُس کو ایسی دوستی، قرب اور رفاقت میسر آ جائے گی اور اس وقت فائدہ دے گی جب کوئی کسی تعلق اور نسبت کو یاد نہ رکھے گا۔ یہ نسبت اُس کے اُس وقت کام آئے گی جب کوئی کسی کے کام نہ آئے گا۔

مگر وہ سوچتا ہی رہ گیا۔

جب دل کی زمین اتنی نرم ہو جائے گی کہ بیج کو قبول کر لے تو پھر دل کی بات کہنا چاہیے ..... بات جب دل سے نکلے اور سیدھی دوسرے کے دل میں جا اٹکے، ''وہ موقع کب آئے گا؟ اللہ کرے وہ وقت قریب ہی ہو۔ عمر نے اپنے کوٹ کو اتارتے ہوئے سوچا۔

''دھیرج! عمر مصطفیٰ! جلدی کاہے کی ہے؟ وہ تمہاری زندگی کی ساتھیہے پل پل کی ساتھی .....'' اُس نے خود کو سمجھایا۔

بھاری قسم کے لباس و زیور سے آزاد ہو کر ماریہ نے سرخ رنگ کا سلکی ہلکا پھلکا لباس پہنا تو وہ اور بھی خوبصورت لگ رہی تھی۔ وہ اپنے دولہا کے پاس آ کر بیٹھ گئی اور پہلی بار براہ راست اُسے مخاطب کیا۔

''عمر! جب میری آپ سے نسبت طے ہوئی تھی نا! تو مجھے عمر نام بہت اچھا لگنے لگا تھا۔ عمر نام کے ہر آدمی اور بچے کو دیکھ کر مجھے آپ کا خیال آتا تھا۔ یہ نسبتیں بھی کتنی اپنائیت کا احساس دلا دیتی ہیں نا!

''بالکل، ٹھیک کہہ رہی ہو، مجھے بھی ایسا ہی لگتا تھا۔''

عمر مصطفیٰ نے ماریہ کو بہت والہانہ انداز میں دیکھا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر بڑے جذب سے بولا۔

''ماریہ! مجھے بھی اپنے نام کے دونوں حصوں سے دو لوگ یاد آتے ہیں جن کے درمیان بہت گہرا تعلق تھا۔ ماریہ! میں ان دونوں جیسا ہونا چاہتا ہوں، میں ان دونوں کے ساتھ رہنا چاہتا ہوں۔''

اُس کی آنکھوں میں نمی اور ہاتھوں میں ارتعاش سا تھا۔

''اور ماریہ! تمہارے نام سے بھی مجھے وہ ماریہ یاد آتی ہیں۔ جو بہت خوبصورت تھیں.....جن سے میرا، تمہارا خاص تعلق ہے۔تم بھی ویسی ہو جانا۔ ماریہ! جب نام پکارے جائیں گے تو ہم ان کے ساتھ پکارے جائیں جن کے ناموں کی نسبت سے میرا، تمہارا نام وابستہ ہے..... کاش! ایسا ہو جائے۔''

اور سوز دردوں سے عمر کی آواز سراسر ایک خاص تپش کا احساس دلا رہی تھی ماریہ نے حیران سا ہو کر اس مرد کو دیکھا جو رو دینے کے قریب تھا۔ اُس کے ہاتھوں کی گرفت ماریہ کے ہاتھوں پہ مضبوط ہوتی جا رہی تھی اور آنکھوں میں ایک خواہش، آرزو دعا بن کر تیر رہی تھی۔ ماریہ نے تھوڑا تذبذب سے عمر کو دیکھا مگر ماریہ کے دل نے باور کرایا کہ واقعی یہ ایک منفرد انسان ہے۔

''ماریہ! تمہیں ایک شعر سناؤں'' ماریہ نے اثبات میں سر ہلایا.....عمر نے گلا صاف کیا۔اور بولا۔

بمصطفیٰؐ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ اُونہ رسیدی تمام بولہبی ست

ماریہ کے سر کے اوپر سے گزر گیا۔''کوئی بات پلے نہیں پڑی نا!'' عمر نے ہاتھ سے سر کی طرف اشارہ کیا۔

''چار دن بعد سمجھ آ جائے گی۔'' ماریہ نے ہنستے ہوئے کہا اُسے بھابھی کا کہا جملہ یاد آ گیا تھا۔

''اچھا غور کرنا۔ نہ سمجھ آ جائے تو پھر دونوں مل کر غور کریں گے۔'' عمر نے بھی دوستانہ لہجہ میں کہا۔

چند دن بعد وہ دونوں سیر و سفر تیح کی غرض سے سوات کی حسین وادی میں گھوم پھر رہے تھے ..... قدرت کے نظاروں نے اس نئے جوڑے کا بڑی گرم جوشی سے استقبال کیا اور انہوں نے حسن و جمال کی اس وادی میں اپنے رب کو اپنے دل میں قریب سے قریب تر پایا۔

اُس دن گھٹا چھائی ہوئی تھی۔ بادل ساری وادی میں گھِرے ہوئے تھے۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں سردی میں اضافہ کر رہی تھیں ..... دریا کے کنارے موسم اور خوبصورت نظاروں سے لطف اندوز ہوتے اس جوڑے نے بھاگم بھاگ اپنے ہوٹل میں پناہ لی جب بارش نے اچانک ہی ہر طرف جل تھل کر دیا تھا۔

ہوٹل پہنچ کر دونوں نے گیلے کپڑے بدل کر چائے کا آرڈر دیا.....اور آتش دان کے قریب بیٹھ کر چائے سے لطف اندوز ہونے لگے۔

ماریہ کی اپنی امی اور بہنوں سے دو دن سے بات نہ ہو سکی تھی۔ یہاں سگنل کا بہت مسئلہ تھا۔ اور آج ایک دم ہی،

بالکل اچانک ہی اسے اپنے گھر والے یاد آنے لگے وہ بہت اداس ہوگئی.....اس جیسی تیز بارش میں اُس کے ابو کی طبیعت خراب ہو جایا کرتی ہے۔ امی کتنی مشکل سے انہیں سنبھالتی ہیں، اپنی ماں کا خیال آتے ہی اُس کا دل بے طرح بھر آیا اور اُس نے بے بسی سے عمر کو دیکھا ..... وہ کھڑکی سے باہر بارش کا نظارہ کر رہا تھا۔

''ماریہ! دیکھو، یہ چھوٹا سا پرندہ کیسے درخت میں پناہ لئے ہوئے ہے۔'' عمر نے مڑ کر ماریہ کو دیکھا۔ وہ رو رہی تھی.....

''کیا ہوا؟'' عمر نے اس کے آنسو اپنی انگلیوں کی پوروں سے صاف کرتے ہوئے کہا۔ ہمدردی پا کر وہ بے قابو سی ہوگئی اور رونے میں اضافہ ہوگیا۔

''عمر! مجھے امی یاد آرہی ہیں'' ماریہ اس وقت بالکل چند سال کی بچی کی طرح مچل رہی تھی جو ماں سے مدتوں سے نہ ملی ہو۔

''چلو پھر امی کی باتیں کرتے ہیں'' عمر نے اس کا ہاتھ پکڑ کر پیار سے کہا۔

''تمہاری امی اب میری بھی ماں ہیں، میں ان کا بیٹا ہوں نا!؟''

عمر نے ماریہ کی آنکھوں میں براہ راست جھانکتے ہوئے سوال کیا۔ ماریہ نے آنسو بھری آنکھوں سے عمر کو دیکھا اور اثبات میں سر ہلا کر مسکرانے لگی۔

''عمر! میری امی بہت دکھی ہیں۔'' اس کی آواز بھر گئی .....

''انہوں نے ساری عمر جذباتی صدمے برداشت کئے ہیں'' ایک سسکی اس کی آواز میں شامل تھی.....''بہت غم جھیلے ہیں۔'' عمر توجہ سے ماریہ کی باتیں سن رہا تھا۔ وہ ان باتوں سے لاعلم نہ تھا اُس کی والدہ نے سب کچھ بتا رکھا تھا۔ اب ماریہ کے دل کا بوجھ ہلکا کرنے کو وہ یہ سب کچھ اس کی زبان سے سن رہا تھا۔

''ماریہ! امی جان نے واقعی بہت غم جھیلے ہیں، تمہاری کیفیت بحیثیت ایک بیٹی کے میں سمجھ رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے فیصلوں اور حکمتوں کو ہم کمزور انسان نہیں سمجھ سکتے۔'' عمر نے بڑی رسان سے کہا ''مگر ہمیں یقین اور ایمان ہے کہ رب کے فیصلے میں ہمارے لئے کوئی بہتری اور حکمت ہے۔'' ہم نہیں جانتے کون سے غم کس خوشی کا پیش خیمہ ہیں؟ اور کون سی خوشیاں انجام کے لحاظ سے کیا ہیں؟''۔

ایک دم ہی عمر کو کچھ یاد آیا اور وہ بولا۔

''ماریہ! میں نے ایک شعر تمہیں سنایا تھا چار دن ہو گئے کیا اس کے بارے میں کچھ غور کیا؟''

اس نے بشاشت سے ماریہ کو دیکھا۔

''مجھے فارسی کہاں آتی ہے؟'' ماریہ نے نادم سا ہو کر کہا.....

''مجھے بھی نہیں آتی مگر ایسے اچھے پیغام کو سمجھنا ضروری تھا اس لئے ہمیں ہمارے ایک استاد نے اس کا مطلب سمجھایا تھا جو میرے دل میں ترازو ہو گیا ہے۔ کوئی بھی معاملہ ہو، کوئی بھی لمحہ ہو، خوشی ہو یا غمی ..... مجھے اس شعر نے سنبھالا دیا۔ خوشی میں بے قابو نہ ہونے دیا، غم اور پریشانی میں مایوس

نہ ہونے دیا۔''

''کیا مطلب ہے اس کا؟'' ماریہ نے شوق سے پوچھا

''مصطفیٰؐ سے تعلق، نسبت جوڑ لو، کہ دین اصل میں یہی ہے۔ اگر تم رسولؐ تک نہ پہنچے تو وہ دین نہیں بولہبی ہے یعنی گمراہی اور جہالت''

عمر ٹھہرے ٹھہرے انداز میں بول رہا تھا اور ماریہ حیران سی ہو کر اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کو دیکھ رہی تھی۔

''ماریہ! دنیا کے غم، کسی غمگسار کی طرف سے تسلی دینے سے کم ہو جاتے ہیں اور غم گسار وہی بن سکتا ہے جو غموں کی شدت سے آشنا ہو اور دوسرے کے غم کا ادراک اُسے ہی ہو سکتا ہے جو خود غم جھیل چکا ہو''

ماریہ نے اس کی تائید میں سر ہلایا۔

''مصطفیٰؐ کے ساتھ ہماری ہر نسبت جڑی ہوئی ہے۔ ہر لمحے اور زندگی کے ہر گوشے کے لئے وہی آئینہ ہمارے لئے رہنما ہے۔''

جن سے ہماری نسبت ہے۔ غم زدہ انسانوں کی نسبت ان کے ساتھ تو اور بھی زیادہ ہے، دنیا کی سب سے کامل ہستی نے ہر وہ غم برداشت کیا جو دنیا میں کسی بھی انسان کو برداشت کرنا پڑا ہوا.....

ماریہ! انسانی جذبات و احساسات سب کے ایک جیسے ہی ہوتے ہیں۔ جذباتی صدمے ہر انسان کو یکساں متاثر کرتے ہیں۔ اگر دنیا میں غم، صدمے، ناکامی اور تحقیر کی دلیل ہوتے تو پیارے نبیؐ کو اللہ تعالیٰ غموں کی ہوا بھی نہ لگنے دیتے۔

ماریہ! کیا تمہیں یاد ہے انؐ کی زندگی کی ابتدا..... دنیا کے پیمانے سے سوچیں تو غم سے شروع ہوتی ہے۔ پھر معاشرے نے ان کو کیا دیا؟ اپنے رشتہ داروں نے ہم وطنوں نے زبان، ہاتھ سے کیا صدمے نہیں دیئے.....'' عمر کی آواز گلو گیر ہو گئی۔'' دنیا کے سب سے سچے انسان کو جھوٹا کہا گیا..... سب انسانوں کے لئے رحمت بن کر آنے والے کو کتنی زحمت دی گئی .....؟ دنیا کے سب سے زیادہ عقل مند انسان کو پاگل کہا گیا۔ عزیزوں کی اور بیٹوں کی موت کے صدمے، بیٹیوں کے ساتھ بدسلوکی کا غم، وطن سے نکالے جانے کا دکھ.....

''اور وہ ..... وقت .....'' عمر کی آواز میں سسکیاں محسوس ہو رہی تھیں۔ ماریہ نے اُس کے کندھوں پر دونوں ہاتھ رکھے۔ اس کی بے قرار طبیعت کو دیکھ کر اُسے نہیں سمجھ آ رہی تھی کہ کیا کرے۔ ''جب طائف میں وہ لہولہان تھے۔ کوئی چارہ گر نہ تھا۔ اوباش لونڈے دنیا کی سب سے معزز ہستی کو بیٹھنے کی مہلت نہ دے رہے تھے..... پتھروں کی بارش میں .....'' اور عمر نے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔ آنسو اس کی داڑھی میں جذب ہوتے چلے جا رہے تھے۔ ماریہ بھی رونے لگی۔

پھر ایک لمبا سانس لے کر عمر نے اپنے آنسو پونچھے..... ماریہ بالکل خاموش اُس کو دیکھے جا رہی تھی۔

''بس غم ہو یا خوشی، نسبت ان سے ہی رکھنی ہے۔ غم زدہ انسانوں کو حوصلہ دینے کے لئے وہ غمگسار موجود ہے

نا!.....بس غم کو جھیلنے کا وہی پیمانہ قبول کرنا ہوگا جوانہوں نے ہمیں دیا ہے۔''

کمرے سے باہر گہری گھٹا چھائی ہوئی تھی۔ ماریہ کے دل میں بھی ایک گہری کالی گھٹا برسنے کو تیار تھی.....اُس نے آنکھیں بند کرلیں۔اس کے دل پہ چھائے بادلوں سے شعور کا چاند جھانک رہا تھا.....پھر پوری آب وتاب کے ساتھ وہ چودھویں کا چاند طلوع ہوگیا..... ماریہ کا دل محبت کی نئی روشنی کے ساتھ جسم میں خون کو گردش دینے لگا۔اس کے بدن میں توانائی سی بھر گئی .....تصور نے اس کو کھجوروں والی اُس بستی میں پہنچا دیا، جہاں ننھی منی پیاری بچیوں کے صبیح چہرے ڈوبتے سورج کی سنہری کرنوں سے، اور کسی مہمان کے استقبال کی خوشی میں دمک رہے تھے.....ہلکی ہلکی ہوا چل رہی تھی.....اور وہ ان کے ساتھ ہم آواز تھی۔

طلع البدر علینا.....طلع البدر علینا

☆☆☆

# سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں۔ مجھے دس اوصاف ایسے عطا کیے گئے جن میں دوسری ازواج مطہرات میں سے کوئی بھی میری شریک نہیں۔

(۱) میرے سوا کوئی اور کنواری بیوی حضورؐ کے عقد میں نہ تھی۔

(۲) جبرائیل علیہ السلام میری شکل میں حضورؐ سے ملے اور کہا عائشہؓ سے شادی کر لیجیے۔

(۳) میں رسولؐ کے خلیفہ اور صدیق کی بیٹی ہوں۔

(۴) آسمان سے میری برأت میں قرآنی آیات نازل کی گئیں۔

(۵) بعض اوقات وحی ایسے وقت میں نازل ہوتی جبکہ میں آپؐ کے پاس محو استراحت ہوتی۔

(۶) میں حضورؐ کے سامنے ہوتی اور حضورؐ نماز میں مصروف ہوتے۔

(۷) میں اور رسولؐ ایک ہی برتن سے غسل کرتے۔

(۸) جس دن میری باری تھی اسی دن حضورؐ نے رحلت فرمائی۔

(۹) رحلت کے وقت آپؐ کا سرِ اقدس میری گود میں تھا۔

(۱۰) میرے حجرہ کو رحمۃ اللعالمین کا مدفن بننے کی سعادت نصیب ہوئی۔

آج ہم تاریخ کی اس نامور ہستی کا تذکرہ کریں گے جو رحمۃ اللعالمین کی ہمدم و رفیق، خلیفۃ المسلمین کی جگر گوشہ، مہر ووفا اور صدق و وفا کی دلکش تصویر۔ جو فقاہت، ثقافت، امانت، دیانت کے اعلیٰ معیار پر فائز تھیں۔ ان کی حیات مبارکہ کا مختصر سا جائزہ لیتے ہیں۔

نام نسب اور کنیت:

آپؓ کا نام عائشہ، صدیقہ لقب، اپنے بھانجے کی نسبت سے کنیت ام عبداللہ تھی۔ آپؓ رسولؐ کے دیرینہ دوست غمگسار ساتھی یارِ غار صدیق اکبرؓ کی صاحبزادی تھیں۔ آپؓ کی والدہ کا نام ام رومان تھا۔ قریش کے خاندان بنو قیم سے تھیں۔

پیدائش:

حضرت عائشہؓ کی پیدائش بعثت نبوی کے پانچ سال بعد ماہِ شوال میں ہوئی۔ ہجرت سے تین برس پہلے نکاح ہوا اور ۹ برس کی عمر میں رخصتی ہوئی۔ نئی تحقیق کے مطابق رخصتی کے وقت ان کی عمر ۱۳ برس تھی۔

بچپن:

آپؓ کا بچپن صدیق اکبرؓ جیسے جلیل القدر باپ کے زیر سایہ بسر ہوا وہ بچپن سے ہی بہت ہوش مند اور ذہین و فطین

تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ کسی اور صحابیہ کی یادداشت اتنی اچھی نہ تھی جتنی ان کی تھی۔ بچپن میں ایک بار گڑیوں سے کھیل رہی تھیں کہ رسولؐ پاس سے گزرے۔ اُن کی گڑیوں میں ایک پردار گھوڑا بھی تھا حضورؐ نے پوچھا ''عائشہؓ یہ کیا ہے؟'' جواب دیا ''گھوڑا ہے'' حضور نے فرمایا ''گھوڑوں کے تو پر نہیں ہوتے'' انھوں نے بے ساختہ کہا یا ''رسول اللہؐ حضرت سلیمانؑ کے گھوڑوں کے تو پر تھے۔'' حضورؐ نے یہ جواب سن کر تبسم فرمایا۔ امام بخاری کا بیان ہے کہ جب سورۃ القمر کی یہ آیت بل الساعة موعدهم مکہ میں نازل ہوئی تو اس وقت عائشہؓ کھیل کود میں مصروف تھیں جب انھوں نے اس آیت کو سنا اور یاد رکھا۔ وہ اپنے لڑکپن کی ایک ایک بات یاد رکھتیں۔ ان کی روایت کرتیں ان سے احکام مستنبط کرتیں۔ ہجرت کے وقت وہ آٹھ یا نو برس کی تھیں لیکن کم سنی میں ہوش مندی اور قوت حافظہ کا یہ حال تھا کہ ہجرت نبویؐ کے تمام واقعات اور باتیں انھیں یاد تھیں۔ ان سے بڑھ کر کسی صحابی نے ہجرت کے واقعات کا تمام تسلسل محفوظ نہیں رکھا۔

نکاح:

حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد آپؐ مغموم رہا کرتے تھے۔ حضرت عثمان بن مظعون کی بیوی خولہؓ نے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا آپؐ دوسری شادی کیوں نہیں کر لیتے۔ آپؐ نے فرمایا کس سے؟ انھوں نے کہا کنواری اور بیوہ دونوں طرح کی لڑکیاں موجود ہیں۔ پوچھا کون؟ عرض کی سودہ بنت زمعہ اور عائشہؓ بنت ابی بکر۔ آپؐ نے فرمایا ٹھیک ہے بات کر کے دیکھ لو۔

غرض خولہؓ رسولؐ کا ایما پا کر حضرت ابوبکرؓ کے ہاں آئیں اور ان سے ذکر کیا۔ اس زمانے میں منہ بولے بھائی کی حیثیت سگے بھائی سے کم نہ تھی اور یہ رسم زمانۂ جاہلیت سے چلی آئی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ نے تعجب سے کہا کیا بھائی کی بیٹی سے نکاح ہوسکتا ہے؟ خولہؓ نے رسولؐ سے پوچھا تو آپؐ نے فرمایا ابوبکر، میرے دینی بھائی ہیں ایسے بھائیوں کی اولاد سے نکاح ہوسکتا ہے۔ یہ سن کر حضرت ابوبکرؓ نے بخوشی رضامندی کا اظہار کر دیا۔ یوں حضرت عائشہؓ چھ برس کی عمر میں رسول اللہؐ کے نکاح میں آ گئیں۔ یہ نکاح شوال کے مہینے میں ۵۰۰ درہم مہر پر مقرر ہوا جو عموماً تمام ازواجِ مطہرات کا مہر تھا۔

حضرت عائشہؓ اپنے نکاح کا حال خود بیان کرتی ہیں کہ جب میرا نکاح ہوا تو میں گڑیوں سے کھیلا کرتی تھی۔ مجھے اس نکاح کا حال تک معلوم نہ ہوا تا آنکہ میری والدہ نے مجھے گھر سے باہر نکلنے سے منع کر دیا۔

خواب میں بشارت:

حضرت عائشہؓ سے نکاح کی بشارت حضورؐ کو خواب میں ہو چکی تھی۔ آپؐ نے خواب میں دیکھا کہ کوئی شخص ریشم میں لپٹی ہوئی چیز آپؐ کو دکھا رہا ہے اور کہتا ہے کہ یہ آپؐ کی ہے۔ آپؐ نے کھولا تو حضرت عائشہؓ تھیں۔

ہجرت و رخصت:

جب نبی کریمؐ مدینہ پہنچ گئے تو آپؐ نے اپنے اہل و عیال کو بھی وہیں بلوا لیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے بھی اپنی بیوی ام رومانؓ دونوں بیٹیوں عائشہؓ، اسماؓ اور بیٹے عبدالرحمٰنؓ کو بھی اسی

قافلے کے ہمراہ بلا لیا۔

مدینے کی آب و ہوا مہاجرین کے لیے ناموافق تھی اکثر مہاجرین بیمار ہو گئے۔ حضرت ابوبکرؓ بیمار ہو گئے ان کی تندرستی کے بعد حضرت عائشہؓ بھی بیمار ہو گئیں۔ علالت سے ان کے تمام بال جھڑ گئے۔ تندرستی کے بعد حضرت ابوبکرؓ آپؐ کے پاس حاضر ہوئے اور کہا کہ آپؐ عائشہؓ کو رخصت کیوں نہیں کروا لیتے۔ آپؐ نے کہا مہر نہ ہونے کی وجہ سے مجبور ہوں۔

حضرت ابوبکرؓ نے اپنے پاس سے پانچ سو درہم بطور قرض آپ کو دیے۔ وہی آپؐ نے حضرت عائشہؓ کے پاس بھیج دیے۔

رخصتی:

مدینہ گویا حضرت عائشہؓ کی سسرال تھی۔ انصار کی عورتیں دلہن کو لینے حضرت ابوبکرؓ کے گھر آئیں۔ حضرت ام رومان نے بیٹی کو آواز دی۔ وہ اس وقت سہیلیوں کے ساتھ جھولا جھول رہی تھیں۔ آواز سنتے ہی ماں کے پاس ہانپتی کانپتی پہنچیں۔ ماں بیٹی کا ہاتھ پکڑے دروازے تک لائی۔ وہاں منہ دھلا کر بال سنوارے۔ پھر انھیں کمرے میں لے گئیں۔ جہاں انصار کی عورتیں دلہن کے انتظار میں بیٹی تھیں۔ دلہن جب اندر داخل ہوئیں تو مہمانوں نے **علی الخیر والبرکۃ و علی خیر طائر** یعنی ''تمھارا آنا خیر و بابرکت اور نیک فال ہو'' کہہ کر استقبال کیا۔ دلہن کو سنوارا، تھوڑی دیر بعد خود آنحضرتؐ تشریف لے آئے۔

اس وقت آپؐ کی ضیافت کے لیے دودھ کے ایک پیالہ کے سوا کچھ نہ تھا۔ حضرت اسماء بنت یزید حضرت عائشہؓ کی سہیلی بیان کرتی ہیں کہ میں اس وقت موجود تھی۔ آنحضرتؐ نے پیالہ میں سے تھوڑا سا دودھ پی کر عائشہؓ کی طرف بڑھایا وہ شرمانے لگیں۔ میں نے کہا رسولؐ کا عطیہ واپس نہ کرو، انھوں نے شرماتے شرماتے لے لیا اور ذرا سا پی کر رکھ دیا۔ آپؐ نے فرمایا اپنی سہیلیوں کو دو۔ ہم نے عرض کی یا رسول اللہؐ ہمیں اشتہا نہیں۔ فرمایا جھوٹ نہ بولو آدمی کا ایک ایک جھوٹ لکھا جاتا ہے۔

حلیہ:

حضرت عائشہؓ لڑکپن میں دبلی پتلی تھیں تیرہ چودہ سال کی عمر میں جسم میں قدرے گرانی آ گئی تھی۔ رنگ سرخ و سپید تھا۔ خوش رو اور صاحب جمال تھیں۔

لباس:

آپ سرخ، سیاہ اور زرد رنگ کا لباس پہنتی تھیں۔ بعض روایات میں زعفرانی رنگ کے لباس کا بھی ذکر ہے۔ قاسم بن محمد کی روایت ہے کہ میں نے عائشہ کو سونے کی انگوٹھی اور زرد لباس، حالت احرام میں پہنے دیکھا ہے۔ ایک ریشمی چادر بھی کبھی کبھی اوڑھتیں۔ ایک کرتہ تھا جو قیمت کے اعتبار سے پانچ درہم کا تھا۔ اس زمانہ میں اتنا گراں تھا کہ تقریبوں میں دلہن کے لیے مستعار لیا جاتا۔ قناعت پسندی کی وجہ سے ایک جوڑا پاس رکھتیں اسی کو دھو دھو کر پہنتیں۔

گھر:

حضرت عائشہؓ جس گھر میں رخصت ہو کر آئیں وہ گھر بنی نجار کے محلے میں تھا۔ آپؐ کا حجرہ زیادہ وسیع نہ تھا۔ مسجد

نبوی کے چاروں اطراف میں بنے ہوئے چند چھوٹے حجروں میں سے ایک تھا۔ اس حجرے کی دیواریں مٹی کی بنی ہوئی تھیں اور چھت کھجور کی ٹہنیوں اور پتوں سے بنائی گئی تھیں۔ دروازے کی جگہ پر ایک کمبل پردے کے طور پر لٹکا دیا گیا تھا۔ رسول اللہؐ کے گھریلو انتظامات حضرت بلالؓ کے سپرد تھے وہی تمام حجروں میں سال بھر کا غلہ تقسیم کرتے تھے۔ بعض اوقات گھریلو ضروریات پوری کرنے کے لیے قرض لینا پڑتا۔ جس دن آپؐ نے وفات پائی حضرت عائشہؓ کے گھر پورے ایک دن کا سامان بھی نہ تھا۔ اس کیفیت کو آپؐ نے عمر بھر قائم رکھا۔

محبوب ترین رفیقہ حیات:

سیدالانام کو حضرت عائشہؓ بے حد محبوب تھیں۔ حضورؐ فرمایا کرتے تھے اے باری تعالیٰ یوں تو میں سب بیویوں سے برابر کا سلوک کرتا ہوں مگر دل میرے بس میں نہیں وہ عائشہؓ کو زیادہ محبوب رکھتا ہے یا اللہ اسے معاف فرمانا۔

حضرت عائشہؓ کو سب سے زیادہ شرفِ خدمت حاصل تھا۔ رسولؐ کمال طہارت کی وجہ سے مسواک کو بار بار دھلوایا کرتے، اس پاک خدمت کا انصرام حضرت عائشہؓ کے ذمے تھا۔

سیدہ عائشہؓ ایک دفعہ رسولؐ سے بڑھ بڑھ کر بول رہی تھیں اتفاق سے ابوبکرؓ آ گئے۔ انھوں نے یہ گستاخی دیکھی تو اس قدر برہم ہوئے کہ بیٹی کو مارنے کے لیے ہاتھ اٹھایا۔ محمدؐ فوراً آڑے آ گئے۔ جب حضرت ابوبکرؓ چلے گئے تو فرمایا کہو میں نے تم کو کیسا بچایا۔

آپؐ حضرت عائشہؓ کے ساتھ ایک دسترخوان بلکہ ایک ہی برتن میں کھانا کھاتے تھے۔ کھانے میں محبت کا یہ عالم تھا کہ آپؐ وہی ہڈی چوستے جسے حضرت عائشہؓ چوستیں، پیالہ پر وہیں منہ لگا کر پانی پیتے جہاں حضرت عائشہؓ منہ لگاتیں۔

ایک دفعہ ایک ایرانی پڑوسی نے آپؐ کی دعوت کی۔ آپؐ نے فرمایا کیا عائشہؓ بھی ہوں گی۔ اس نے کہا نہیں۔ آپؐ نے فرمایا عائشہؓ کو بھی دعوت دی جائے۔ لہٰذا جب حضرت عائشہؓ کو بھی دعوت میں بلایا گیا تو تب آپؐ نے پڑوسی کی دعوت قبول کی۔

ایک غزوہ میں حضرت عائشہؓ بھی شریک سفر تھیں۔ آپؐ نے تمام صحابہ کو آگے بڑھ جانے کا حکم دیا۔ حضرت عائشہؓ سے فرمایا آؤ دوڑیں دیکھیں کون آگے نکلتا ہے یہ دبلی پتلی تھیں آگے نکل گئیں۔ کئی سال بعد اس طرح کا ایک موقع پھر آیا۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں اب میں بھاری ہو گئی تھی۔ اب کے آنحضرتؐ آگے نکل گئے فرمایا، عائشہ یہ اس دن کا جواب ہے۔

ایک دفعہ عید کا دن تھا۔ حبشی عید کی خوشی میں نیزے بازی میں مشغول تھے۔ سیدہ عائشہؓ نے تماشا دیکھنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ آپؐ آگے بڑھے اور یہ آپؐ کی اوٹ میں کھڑی ہو گئیں جب تک وہ خود تھک کر نہ پیچھے ہو گئیں آپؐ برابر کھڑے رہے۔

کبھی کبھی دل لگی کے لیے ایک دوسرے کو کہانیاں بھی سنایا کرتے تھے۔ حضرت محمدؐ نے ایک روز حضرت عائشہؓ کو خرافہ نامی شخص کی کہانی سنائی جسے جنات اٹھا کر لے گئے

تھے۔اس نے جو عجائبات وہاں دیکھے تھے اسے واپس آ کر لوگوں میں بیان کیا تھا۔اسی طرح حضرت عائشہؓ نے گیارہ سہیلیوں کی تفصیلی کہانی سنائی جسے آپؐ نے بڑے انہماک سے سنا اور فرمایا۔عائشہؓ میں تمھارے لیے ویسا ہی ہوں جیسا ابوزرع ام زرع کے لیے تھا۔

آپؐ حضرت عائشہؓ کے بارے میں کہا کرتے تھے عائشہؓ کو عورتوں پر اسی طرح فضیلت حاصل ہے جس طرح ثرید کو تمام کھانوں پر۔

سیدہ عائشہؓ ایک سفر میں حضور کے ہمراہ تھیں۔حضرت ابوبکر صدیقؓ اور بہت سے دیگر صحابہ کرامؓ بھی شریک سفر تھے۔صحرا میں ایک جگہ پڑاؤ کیا گیا۔صدیقہ کائناتؓ کے گلے کا ہار اس سفر میں کہیں گم ہو گیا بعض صحابہؓ کو اس کی تلاش پر مامور کر دیا گیا ہار کا کہیں سراغ نہ ملا۔سرورِ عالمؐ اپنے خیمے میں محو استراحت تھے۔نمازِ فجر کا وقت ہو گیا۔وضو کے لیے پانی نہ تھا۔صحابہ کرامؓ کے دلوں میں تشویش کی لہر دوڑ گئی۔چہ میگوئیاں ہونے لگیں کہ عائشہ کی وجہ سے یہ صورت حال پیدا ہوئی ہے۔حضرت ابوبکرؓ اپنی بیٹی پر ناراض ہوئے کہ ان کی وجہ سے سب لوگ پریشان ہیں۔اسی وقت تیمّم کی یہ آیات نازل ہوئیں۔

ترجمہ:''اگر تم بیمار ہو یا سفر کی حالت میں ہو یا حاجت ضروری سے فارغ ہوئے ہو یا عورتوں سے مقاربت کی ہو او رتم پانی نہیں پاتے تو پاک مٹی کا قصد کرو اور اس سے کچھ ہاتھ اور منہ پر پھیر لو۔اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا، بخشنے والا ہے۔''

قرآن حکیم کا یہ حکم سنتے ہی جن زبانوں پر حرفِ شکایت تھا وہ حضرت عائشہؓ کی تعریف و توصیف میں بدل گیا۔

آپؐ کبھی کبھی ان کے ساتھ غیر معمولی انبساط سے پیش آتے۔حضرت عائشہؓ نے ایک انصاری لڑکی کی پرورش فرمائی تھی۔اس کی شادی ہونے لگی تو اس تقریب کو سادگی کے ساتھ انجام دینے لگیں۔آپؐ باہر سے تشریف لائے تو فرمایا عائشہ گیت اور راگ تو ہے ہی نہیں۔

حضرت عمرو بن العاص نے ایک دفعہ رسولؐ سے پوچھا یارسول اللہ آپؐ کو دنیا میں سب سے زیادہ محبوب کون ہے۔آپؐ نے فرمایا عائشہؓ۔پوچھا مردوں میں سے؟ فرمایا اس کا باپ۔ایک دن حضرت عمرؓ نے اپنی بیٹی حفصہؓ کو سمجھاتے ہوئے کہا بیٹی عائشہؓ سے مقابلہ نہ کیا کرو رسولؐ کے دل میں ان کی بہت قدر و منزلت ہے۔

اخلاق و عادات:

حضرت عائشہ صدیقہؓ کو ہر وقت رسولؐ کی اطاعت اور رضا جوئی مطلوب رہتی۔آپ کا اخلاق نہایت بلند تھا۔وہ نہایت سنجیدہ، فیاض، قانع، عبادت گزار اور رحم دل تھیں۔غیبت اور بدگوئی سے پرہیز کرتی تھیں حتیٰ کہ اپنی سوکنوں کی خوبیوں اور ان کے فضائل و مناقب کا ذکر کرتی رہتیں۔کسی کا احسان بہت کم وصول کرتیں۔اطرافِ ملک سے ان کے پاس ہدیے اور تحفے آتے رہتے۔حکم تھا ہر تحفہ کا معاوضہ ضرور دیا جائے۔خودستائی سے پرہیز کرتیں خودداری کے ساتھ ساتھ فیاضی حد سے بڑھی ہوئی تھی۔حضرت عبداللہؓ بن زبیر

اپنی خالہ کو بے تحاشا خیرات کرتے دیکھا کرتے ایک دن انھوں نے کہا اب ان کا ہاتھ روکنا ضروری ہے جس پر وہ بے حد ناراض ہوئیں۔

آپؓ کی فیاضیاں ضرب المثل ہیں۔ ایک بار عبداللہ بن زبیرؓ نے ان کو ایک لاکھ درہم بھجوائے انھوں نے اسی وقت سب رقم غریبوں میں تقسیم کر دی۔ اس دن روزے سے تھیں شام ہوئی تو خادمہ نے کہا ام المومنین کیا ہی اچھا ہوتا آپ نے اس رقم سے کچھ گوشت افطار کے لیے خرید لیا ہوتا۔ فرمایا تم نے یاد دلا دیا ہوتا۔

دن رات کا زیادہ حصہ عبادت میں یا لوگوں کو مسائل بتانے میں صرف کرتیں۔ ان کا دل مہر و محبت کا خزینہ تھا۔ دشمنوں اور مخالفوں تک کو معاف کر دیتیں۔ حضرت حسان بن ثابتؓ نے واقعہ افک میں ان کی مخالفت کی تھی۔ آپؓ نے ان کو بھی معاف کر دیا۔ معاویہ بن خدیج نے ان کے بھائی محمد بن ابی بکر کو قتل کر دیا تھا۔ اس لیے وہ ان سے کبیدہ خاطر تھیں۔ لیکن جب انھوں نے سنا کہ معاویہ کا سلوک اپنے ماتحتوں کے ساتھ بہت اچھا ہوتا ہے کسی کا جانور مر جائے اسے جانور دے دیتے ہیں غلام بھاگ جائے اسے غلام دے دیتے ہیں۔ لوگ ان سے بہت خوش ہیں تو فرمایا جس شخص میں یہ اوصاف ہیں میں اس سے اس بنا پر ناراض نہیں رہ سکتی کہ وہ میرے بھائی کا قاتل ہے کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دعا مانگتے سنا ہے جو شخص میری امت کے ساتھ ملاطفت کرے تو بھی اس کے ساتھ ملاطفت کر جو اس کے ساتھ سختی کرے تو بھی اس کے ساتھ سختی کر۔

حضرت عائشہؓ کی حیاتِ مبارکہ کے چار واقعات بے حد اہم ہیں۔ افک، ایلا، تحریم اور تخییر۔

واقعہ افک:

افک کا واقعہ یوں پیش آیا کہ غزوۂ بنو مصطلق کے سفر میں حضرت عائشہؓ حضورؐ کے ہمراہ تھیں۔ راستے میں ایک جگہ رات کو قافلے نے قیام کیا۔ حضرت عائشہؓ رفع حاجت کے لیے پڑاؤ سے دور نکل گئیں۔ وہاں ان کے گلے کا ہار جو وہ اپنی بہن اسماءؓ سے مانگ کر لائی تھیں بے خبری کے عالم میں گر گیا۔ واپسی پر پتا چلا تو بہت مضطرب ہوئیں۔ پھر اسی سمت واپس لوٹیں۔ خیال کیا کہ قافلے کے چلنے سے پہلے ہار ڈھونڈ کر واپس پہنچ جائیں گی۔ جب ہار ڈھونڈ کر واپس پہنچیں تو قافلہ روانہ ہو چکا تھا۔ بہت گھبرائیں۔ ناتجربہ کاری کی عمر تھی۔ چادر اوڑھ کر وہیں لیٹ رہیں۔ حضرت صفوان بن مصطلؓ ایک صحابی کسی انتظامی ضرورت کے سلسلے میں قافلے سے پیچھے رہ گئے تھے انھوں نے حضرت عائشہؓ کو پہچان لیا کیونکہ بچپن میں (یا نزول حجاب سے پہلے) انھیں دیکھا ہوا تھا۔ ان سے پیچھے رہ جانے کا سبب پوچھا۔ جب واقعہ معلوم ہوا تو بہت ہمدردی کی۔ پھر ام المومنین کو اونٹ پر بٹھا کر عجلت سے قافلے کی طرف روانہ ہوئے۔ دوپہر کے وقت قافلے سے جا ملے۔ مشہور منافق عبداللہ بن ابی کو جب واقعہ معلوم ہوا تو اس نے مشہور کر دیا کہ (نعوذ باللہ) حضرت عائشہؓ اب باعصمت نہیں رہیں۔ چند سادہ لوح مسلمان بھی اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے۔ رسول اللہؐ کو بھی تشویش پیدا ہوئی اور حضرت عائشہؓ بھی ناحق کی بدنامی کے صدمے سے بیمار ہو گئیں۔ آپؐ

نے فرمایا اگر عائشہؓ پاک ہیں تو اللہ تعالیٰ خود اس کی طہارت کی گواہی دے گا۔

کچھ روز بعد آیت برأت نازل ہوئیں جن میں تفصیل سے حضرت عائشہؓ کی بے گناہی کا صاف لفظوں میں اظہار یا گیا۔

**لولا اذ سمعتموہ ظن المومنون والمومنات بانفسھم خیرا وقالوا ھذا افک مبین.**

''یعنی جب تم نے سنا تو مومن مردوں اور مومن عورتوں کی نسبت نیک گمان کیوں نہ کیا کہ یہ صریح تہمت ہے۔''

سورۃ نور کی دس بارہ آیات حضرت عائشہؓ کی برأت پر مشتمل ہیں۔اب حضرت عائشہؓ کا دل ٹھکانے ہوا۔ماں نے کہا بیٹی اٹھو اور شوہر کے قدم لو۔حضرت عائشہؓ نے بغرورِ نسوانی جواب دیا میں صرف اپنے خدا کی شکر گزار ہوں اور کسی کی ممنون نہیں ہوں۔

واقعۂ تحریم:

حضورؐ کا معمول تھا کہ عصر کی نماز کے بعد ازواج مطہرات کے پاس تھوڑی دیر کے لیے تشریف لے جاتے۔ ایک دفعہ زینبؓ بنت جحش کے پاس زیادہ دیر ہوگئی۔حضرت عائشہؓ کو رشک ہوا۔انھوں نے تجسس کیا تو معلوم ہوا کہ حضورؐ نے زینبؓ کے ہاں شہد کھایا ہے جو انھیں کسی نے تحفہ کے طور پر بھیجا تھا۔حضرت عائشہؓ نے حضرت حفصہؓ سے کہا جب حضورؐ ہمارے اور تمھارے پاس تشریف لائیں تو کہنا چاہیے کہ یا رسول اللہ کیا آپؐ نے مضافیر کا شہد کھایا ہے (مغافیر کے شہد میں قدرے بو ہوتی ہے) آقائے دو جہاں کو ہر طرح کی بو ناپسند تھی۔ جب حضورؐ فرمائیں گے کہ زینبؓ نے شہد پلایا ہے تو تم کہنا شاید یہ شہد عرفط کی مکھی کا ہے جب حضورؐ حضرت حفصہؓ کے ہاں گئے تو یہی سوال جواب ہوئے اور پھر حضرت صفیہؓ اور حضرت عائشہؓ نے بھی یہی گفتگو دہرائی تو حضورؐ کی طبیعت مبارک میں تکدر پیدا ہوا اور آپؐ نے حضرت زینبؓ کے آئندہ شہد پلانے پر کہا ''مجھے اس کی ضرورت نہیں میں آئندہ شہد نہیں کھاؤں گا۔''اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ترجمہ:''اے نبیؐ تم اپنی بیویوں کی رضامندی کے لیے جو چیز خدا نے حلال کی ہے اس کو اپنے اوپر حرام کیوں کرتے ہو۔''

واقعہ ایلا:

ازواجِ مطہرات کے لیے غلہ اور کھجور کی جو مقدار مقرر تھی وہ ان کی ضروریات کے لیے ناکافی تھی وہ تنگدستی سے گزر اوقات کرتی تھیں۔ ادھر اموالِ غنیمت اور سالانہ محاصل میں کافی اضافہ ہو چکا تھا۔ چنانچہ ازواجِ مطہرات نے اپنے مقررہ گزارہ میں اضافہ کی خواہش کی۔حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے اپنی بیٹیوں حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کو سمجھا کر اس مطالبہ سے باز رکھا لیکن دوسری ازواج اس مطالبہ پر قائم رہیں۔ اتفاق سے اسی زمانہ میں حضورؐ گھوڑے سے گر پڑے اور پہلوئے مبارک میں چوٹ لگی۔ آپؐ نے حضرت عائشہ کے حجرہ سے متصل ایک بالا خانے پر قیام فرمایا اور عہد کیا کہ ایک ماہ تک ازواجِ مطہرات کو نہیں

ملیں گے۔ منافقین ایسے مواقع کی تلاش میں رہتے تھے۔ انھوں نے مشہور کر دیا کہ آپؐ نے بیویوں کو طلاق دے دی ہے۔ تمام صحابہ کرامؓ یہ خبر سن کر رنجیدہ ہوئے حضرت عمر فاروقؓ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ ایک کھری چارپائی پر لیٹے تھے اور جسم اطہر پر بان کے نشان بن گئے تھے۔ فاروقِ اعظمؓ حضورؐ کو اس حال میں دیکھ کر آبدیدہ ہو گئے اور عرض کیا یا رسول اللہؐ کیا آپؐ نے بیویوں کو طلاق دے دی ہے۔ فرمایا ''نہیں'' جناب عمر فاروقؓ نے یہ خوشخبری تمام لوگوں کو سنا دی۔ اس پر تمام مسلمانوں اور ازواجِ مطہرات میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں میں ایک ایک دن گنتی تھی انتیسویں دن حضورؐ بالاخانے سے اتر کر سب سے پہلے میرے پاس تشریف لائے۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ آپؐ نے ایک مہینے کا عہد فرمایا تھا اور آج انتیس دن ہوئے ہیں۔ فرمایا مہینہ کبھی ۲۹ دن کا بھی ہوتا ہے۔

واقعہ تخییر:

واقعہ ایلا کے بعد ایک دن حضورؐ عائشہؓ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: ''عائشہ میں تم سے ایک بات پوچھتا ہوں اس کا جواب دینے کے لیے اپنے والدین سے مشورہ کر لینا۔''

حضرت عائشہؓ نے عرض کیا ''یا رسول اللہؐ وہ کیا بات ہے؟'' حضورؐ نے سورۃ احزاب کی یہ آیات تلاوت فرمائیں۔

ترجمہ: ''اے نبی اپنی بیویوں سے کہہ دو اگر تم کو دنیوی زندگی اور اس کی رونق درکار ہے تو آؤ میں تم کو کچھ دے دلا کر بھلے طریقے سے رخصت کر دوں۔ اگر تمھیں اللہ اور اس کا رسولؐ اور آخرت کا گھر پسند ہے تو تم میں سے جو نیکوکار ہیں اللہ نے ان کے لیے بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے۔''

حضرت عائشہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ اس میں والدین سے مشورہ کرنے کی کیا ضرورت ہے میں تو اللہ اور اللہ کے رسولؐ اور آخرت کا گھر اختیار کرتی ہوں۔ حضورؐ نے یہ جواب پسند فرمایا۔ یہی بات جب دوسری ازواج مطہرات سے پوچھی تو انھوں نے بھی ویسا ہی جواب دیا۔

حضورؐ کی وفات:

جب حضرت عائشہؓ کی ازدواجی زندگی کے نو برس گزر گئے تو آقائے دوجہاں مرضِ وفات میں مبتلا ہوئے۔ حضورؐ تیرہ دن علیل رہے ان تیرہ دنوں میں پانچ دن دیگر ازواج کے گھر قیام کیا اور آٹھ دن حضرت عائشہؓ کے ہاں رہے۔ شدت مرض میں کمزوری کی وجہ سے آپؐ اپنی مسواک حضرت عائشہ کو دیتے وہ اپنے دانتوں میں چبا کر نرم کرتیں اور پھر حضورؐ استعمال فرماتے ۹ یا ۱۲ ربیع الاول کو حضورؐ کی روح اطہر عالم بالا کی طرف پرواز کر گئی۔ وفات کے وقت آپ کا سر اقدس حضرت عائشہؓ کی گود میں تھا۔ پھر انھی کے حجرہ مبارک کو حضورؐ کی ابدی آرام گاہ بننے کا شرف حاصل ہوا۔ اس وقت حضرت عائشہؓ کی عمر اٹھارہ سال تھی۔ انھوں نے ۴۵ برس بیوگی میں گزارے۔

بہادر خاتون:

آپ فطرتاً نہایت دلیر خاتون تھیں ان کی بہادری کا

اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ راتوں کو اٹھ کر قبرستان چلی جاتیں۔ غزوۂ خندق میں جب مسلمان چاروں طرف سے گھرے ہوئے تھے اور شہر کے اندر یہودیوں کے حملے کا خطرہ تھا تو وہ بے خطر قلعہ سے نکل کر نقشۂ جنگ کا معائنہ فرماتیں۔ غزوۂ احد میں اپنی پیٹھ پر مشک لاد کر پانی پلانے کی خدمت انجام دیتی رہیں۔

حضرت عائشہؓ کی فضیلت اور کمالات:

(۱) مسروق تابعی سے روایت ہے۔ ''بخدا میں نے ان یعنی حضرت عائشہؓ سے بڑے بڑے صحابہؓ کو فرائض کے مسئلے دریافت کرتے دیکھا ہے۔

(۲) امام زہری کا مقولہ ہے۔ ''اگر تمام مردوں اور امہات المومنین کا علم جمع کیا جائے تو حضرت عائشہؓ کا علم ان سب سے زیادہ ہوگا۔''

(۳) حضرت ابوموسیٰ اشعری کہتے ہیں۔ ''ہم صحابیوں کو کوئی ایسی مشکل بات پیش نہیں آئی جس کو ہم نے عائشہؓ سے پوچھا ہو اور ان کے پاس اس کے متعلق معلومات ہم کو نہ ملی ہوں۔''

(۴) عروہ بن زبیرؓ فرماتے ہیں ''میں نے فقہ، طب اور شاعری میں حضرت عائشہؓ سے بڑھ کر کسی کو نہیں پایا۔ حضرت عائشہؓ ساٹھ ساٹھ سو شعر کے قصیدے سنا دیا کرتی تھیں۔

(۵) عطا بن ابی الرباع کا قول ہے ''عائشہ سب سے زیادہ فقیہ، سب سے بہتر اور لوگوں میں سب سے زیادہ صائب الرائے تھیں۔

(۶) ایک دن امیر معاویہ نے ایک درباری سے پوچھا لوگوں میں سب سے بڑا عالم کون ہے؟ اس نے کہا امیر المومنین آپ ہیں۔ انھوں نے کہا میں قسم دیتا ہوں سچ سچ بتاؤ۔ اس نے کہا اگر یہ ہے تو اس کا جواب ہے عائشہ۔

حضرت عائشہؓ کے شاگردوں کی تعداد دوسو کے لگ بھگ بیان کی جاتی ہے۔ ان کا مرتبہ رواۃ میں بہت بلند ہے ان سے ۲۲۱۰ احادیث روایت کی گئی ہیں فی الحقیقت ان کا پایۂ علم وفضل اتنا بلند تھا کہ اس کو بیان کرنے کے لیے سینکڑوں صفحات درکار ہیں۔ علمی کمالات، دینی خدمات، سرور عالم کی تعلیمات و ارشادات کے نشر و اشاعت کے اعتبار سے صدیقہ کبریٰ کا کوئی حریف نہیں ہوسکتا۔ اگر انھیں ''محسنہ امت'' کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

جنگ جمل:

خدا سے بہت ڈرنے والی رقیق القلب خاتون تھیں۔ حضرت عثمانؓ جب شہید ہوئے یہ مکہ میں تھیں۔ حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ نے مدینہ پہنچ کر انھیں صورت حال سے آگاہی دی تو وہ دعوتِ اصلاح کے لیے بصرہ گئیں اور وہاں حضرت علیؓ سے جنگ پیش آئی۔ اس موقع پر حضرت عائشہؓ اونٹ پر بیٹھی تھیں اس لیے اس جنگ کو جنگ جمل کہتے ہیں اگرچہ یہ جنگ اتفاقیہ پیش آ گئی تھی تاہم ان کو جب بھی اس کی شرکت یاد آتی تو بے اختیار رقت طاری ہو جاتی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتیں۔ ان کو اپنی غلطی پر ہمیشہ افسوس رہا۔ اکثر فرمایا کرتیں کاش میں آج سے بیس برس پہلے معدوم ہو چکی ہوتی۔

حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں تمام ازواج مطہرات

کے دس دس ہزار درہم سالانہ مقرر تھے۔ البتہ حضرت عائشہؓ کو بارہ ہزار درہم سالانہ دیے جاتے تھے اس کی وجہ حضرت عمرؓ بیان فرماتے کہ وہ حضرت محمدؐ کو بہت محبوب تھیں۔

جب عراق فتح ہوا تو مال غنیمت میں ایک موتیوں کی ڈبیہ بھی فاروقِ اعظمؓ کی خدمت میں بھیجی گئی۔ انھوں نے لوگوں سے اجازت لے کر اسے حضرت عائشہؓ کی خدمت میں بھیج دیا۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: ''اے خدا عمرؓ نے رسولؐ کے بعد مجھ پر بہت احسانات کیے ہیں آئندہ مجھے ان کے عطیات کے لیے زندہ نہ رکھنا۔''

جب حضرت عمرؓ کی وفات کا وقت قریب آیا تو انھوں نے اپنے فرزند حضرت عبداللہؓ کو ام المومنین کی خدمت میں بھیجا کہ مجھے رسولؐ کے پہلوئے مبارک میں دفن ہونے کی اجازت مرحمت فرمائیں۔

حضرت عائشہؓ نے فرمایا یہ جگہ میں نے اپنی تدفین کے لیے رکھی تھی لیکن عمرؓ کی خاطر آج میں اس سے دستبردار ہوتی ہوں۔

خواب:

سیدہ عائشہؓ نے خواب میں دیکھا تین چاند ان کے حجرے میں اتر آئے۔ جب رسولؐ کے سانحۂ ارتحال پیش آیا اور وہ آپؐ کے حجرے میں دفن ہوئے تو صدیق اکبرؓ نے فرمایا عائشہ یہ تیرے خواب کی تعبیر ہے۔ آج پہلا چاند تیرے حجرے میں جلوہ گر ہوا۔ بعد ازاں صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ اس حجرے میں دفن ہوئے تو خواب کی تعبیر مکمل ہوئی۔

وفات:

آپؓ نے سہ شنبہ کی رات بتاریخ ۱۷ رمضان المبارک ۵۸ھ میں ۶۳ برس کی عمر میں وفات پائی۔ یہ امیر معاویہؓ کی خلافت کا زمانہ تھا۔ جس رات کو آپؓ کی وفات ہوئی مشعلیں روشن کر لی گئیں۔ عورتوں کی اس قدر کثرت تھی کہ عید کا دھوکا ہوتا تھا۔ ان کے انتقال سے لوگوں کو بہت صدمہ ہوا۔ مسروق کہتے ہیں اگر بعض مصالح مانع نہ ہوتے تو میں ام المومنین کے لیے ماتم برپا کرتا۔ آپؓ نے وصیت کی تھی کہ رات کو ہی دفن کر دینا۔ چنانچہ اسی رات بعد نماز وتر جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔ اس شب کو اتنا ہجوم تھا کہ کبھی دیکھا نہ گیا تھا۔

حضرت ابو ہریرہؓ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ عبداللہ بن زبیر، قاسم بن محمد، عبداللہ بن محمد بن عبدالرحمٰن اور عبداللہ بن عبدالرحمٰن نے قبر میں اتارا۔

رضی اللہ عنہا۔

(اس مضمون کی تیاری کے لیے درج ذیل کتب سے استفادہ کیا گیا۔ سیرت حضرت عائشہؓ، از: علامہ سید سلمان ندوی۔ صحابیات مبشرات، از: محمود احمد غضنفر۔ صحابیات، از: علامہ نیاز فتح پوری۔ تذکارِ صحابیات، از: طالب ہاشمی)

# داستانِ عطا و بخشش

## عطاءِ ربانی کا خاص کرشمہ

2003ء/1423ھ کے سال رمضان کا مہینہ اپنے گھر اکیلے ہی گزارنے کا ارادہ تھا۔ پہلے ہی دن دل میں اعتکاف کا خیال آ گیا اگلے دو تین دن میں فیصلہ ہو گیا۔ دل میں خوشی کی ہلچل مچ گئی۔ بڑے کمرے کے دیوار والے کونے میں چارپائی بچھ گئی۔ میز پر قرآن پاک کیسٹ اور دعاؤں کی کتابیں رکھی گئیں۔

رمضان میں ایک قرآن پاک ترجمہ سے پڑھتی ہوں اور دوسرا کیسٹ سے سن کر قرآن سے دیکھ کر پڑھتی ہوں اصلاح کی غرض سے۔ میز پر ایک گلدان نما صراحی میں کچھ مصنوعی پھول سجاوٹ کے لیے بھی رکھے تھے۔

والدہ نے کہا ''صبح نو سے دس بجے تک فون صحیح رکھنا تاکہ تمھارا حال پوچھ لوں۔'' اسی طرح کرتی تھی۔ وہ روزانہ فون کرتیں حال پوچھنے کے بعد کہتیں ''تیرے لیے بہت دعا کر رہی ہوں'' اور فون بند ہو جاتا۔

تنہائی میں عبادت کا بہت لطف آ رہا تھا۔ نہایت دلچسپ تجربہ تھا۔ عبادت میں ایسی لذت پہلے کبھی میسر نہ آئی تھی۔ جمعۃ الوداع کے دن اٹھائیسواں روزہ تھا۔ اشراق کی نماز ادا کرنے کے بعد بستر پر لیٹ گئی۔ چہرہ دیوار کی طرف اور آنکھیں بند تھیں۔ ایک لمحہ کے لیے شدت کی روشنی آنکھوں میں محسوس ہوئی۔ دل میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ یہ سوچ کر کہ اللہ نے اعتکاف کو سراہا ہے۔

ہفتہ کو مغرب کے بعد معلوم ہوا انتیس کا چاند نظر آ گیا ہے۔ میری سہیلی، جو کہ ہمسائی بھی ہیں، مسز ریحانہ رفیق اپنے بیٹے ڈاکٹر طارق رفیق خان کے ساتھ پھول لے کر آئیں۔ سوچا اسی شیشے کی صراحی میں تازہ پھول رکھ لیتی ہوں۔ جونہی اس کو پکڑا محسوس ہوا اس پر کچھ لکھا ہوا ہے۔ سخت حیرانگی ہوئی۔ یہ سب ادھر ہی چھوڑ کر مہمانوں کے پاس آ گئی۔ ان لوگوں کے جانے کے بعد جب صراحی کو خوب صابن لگا کر صاف کیا تو واضح طور پر لفظ ''اللہ'' دستخط کی صورت میں لکھا تھا۔ اس کو بغور دیکھتی رہی دل میں گہرے سکون کی کیفیت تھی۔ اتنی دیر میں فون آنے شروع ہو گئے۔ سب سے پہلا فون امی جان کا تھا۔ بہت خوش تھیں۔ ہر کوئی اس طرح کے کرشمے نہیں سمجھ سکتا، صرف انھیں دکھایا جن کا اپنے رب سے قلبی تعلق قائم تھا۔

اس صراحی کو بستر کے قریب میز پر سجا لیا۔ اللہ کے نام کو دیکھنے سے لطف و سرور محسوس ہوتا تھا ایک روز صفائی والی خاتون نے میز کو نیچے سے کھینچا تو شیشے کی صراحی ٹوٹ گئی۔ اللہ کی شان بلند اس کے دستخط والا حصہ اپنی پوری خوبصورتی کے ساتھ بچا رہا۔ عقل حیران رہ گئی۔ اب اس کو حفاظت سے

رکھتی ہوں۔

روحانی علاج کے طریقے

وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْن ٥ (سورۃ بقرہ ۲: ۶۲)

ترجمہ: ''اور نہ ان کو خوف (خطرہ، اندیشہ) ہوگا اور نہ وہ غمگین (رنجیدہ، مغموم) ہوں گے۔''

اس دنیا میں یہی دو باتیں انسانوں کے لیے پریشان کن ثابت ہوتی ہیں۔ آنے والے ناموافق حالات کا خوف اور گزشتہ واقعات کا غم۔

ہر ایک انسان کو زندگی روح کی بدولت ملتی ہے۔ یہ لطیف چیز غیب سے عطا ہوئی ہے۔ اللہ کے نور سے نور کا ایک ذرہ ہے مگر جو اللہ پر یقین نہیں رکھتے ان کی روح بھی بجھی رہتی ہے لیکن روشن انھیں طریقوں سے ہوتی ہے جو قرآن میں بتائے گئے ہیں...... اللہ کو کثرت سے یاد کرنا۔ اس میں نماز، قرآن کی تلاوت، اسماء الحسنٰی، چھ کلمے اور اہم کام درود پاک شامل ہیں۔ روحانی علاج کے لیے اللہ کی ذات وصفات اور نبی کریمؐ پر یقین کامل ہونا ضروری ہے۔ تب ہی ہدایت رحمت وشفا ہے ان لوگوں کے لیے جو ایمان رکھتے ہیں۔ مختلف انداز میں یہ بات ہماری روحانی کتاب میں دہرائی گئی ہے۔

سورہ فتح میں بہت پیارے انداز میں ارشاد ہے:

آیت نمبر ۴ کا پہلا حصہ۔ ''وہی تو ہے (یعنی اللہ) جس نے اتاری تسکین (تحمل: سکون) تا کہ ان کے پہلے ایمان کے ساتھ ان کا ایمان اور زیادہ ہو۔''

نہایت اہم نفسیاتی نکتہ یہ ہے کہ ایمان صادق اور یقین کامل ہو تو قلب سلیم عطاء ربانی ہے۔

اس حقیقت سے ہم لوگ بخوبی واقف ہیں کہ انسان صرف جسم کا نام نہیں بلکہ روح اور جسم کا مرکب ہے۔ دونوں کی تخلیق الگ الگ ہے جسم مادی ہے جس کی اصل مٹی ہے روح عالم امر سے ہے اور صفات باری تعالیٰ کا پرتو ہے۔ محققین فرماتے ہیں کہ انسان دس چیزوں کا مجموعہ ہے۔ پانچ کا تعلق اس عالمِ آب و گل یعنی عالم خلق سے ہے اور پانچ کا تعلق عالمِ امر سے ہے۔ عالم خلق میں انسانی جسم کی تخلیق اربعہ عناصر یعنی آگ پانی مٹی اور ہوا سے ہوئی جن کے امتزاج سے نفسِ انسانی بنا جس کی اصل تو مادہ ہے لیکن لطیف ہے۔ لطیف اس چیز کا نام ہے جو نہ آنکھ سے دیکھی جا سکے اور نہ ہاتھ سے پکڑی جا سکے۔ جیسے پھول میں خوشبو۔

جسم اور روح کی غذا کا نظام الگ الگ ہے۔ جسم کی غذا مادی ہے کہ اس کا جزو اعظم مٹی ہے اور روح کی غذا تجلیات باری تعالیٰ ہیں جو اسے عالم امر سے نصیب ہوتی ہے۔ مادی غذاؤں کی تعمیر میں جو مقام سورج کو حاصل ہے یعنی دنیا کی بقا کا سبب ہے، تمام عناصر کو اس کی گرمی اور روشنی کی ضرورت ہے۔ یہی مقام روحانی طور پر آقائے نامدار حضرت محمد ﷺ کی ذات گرامی کا ہے۔ جن کو قرآن حکیم سِرَاجًا مُّنِيْرًا فرماتا ہے۔

اگرچہ مادی غذا کا جزو اعظم مٹی ہے لیکن پانی ہوا اور حرارت مل کر مٹی سے مختلف چیزیں معرضِ وجود میں لاتی ہیں۔ جو بدن کی غذا اور دوا دونوں کا کام کرتی ہیں۔ ایسا ہی ایک نظام روحانی بھی ہے۔ اصل برکات حضور اکرم ﷺ کی ہیں جبکہ اولو العزم رسول ان انوارات کو روح تک پہنچانے کا سبب بنتے ہیں،

جوخودرسول اکرم ﷺ سے حاصل کرتے ہیں۔روح کی طرح جسم کے اعضاء رئیسہ (Vital organs) ہیں۔ دل، دماغ، پھیپھڑے، گردے اور جگر۔دلچسپ بات یہ ہے کہ جب دل کی صحت کا جائزہ لینے کیلئے ای سی جی کرتے ہیں تو اس مشین کا اہم حصہ لیڈ (Leed) سینہ کے انہی پانچ مقامات پر رکھتے ہوئے ٹیسٹ کرتے ہیں۔

اس روز یونیورسٹی میں ورک شاپ (Workshop) کے بعد سوال جواب کے وقفہ میں پروفیسر صاحب سے پوچھا کہ ہم نے میڈیسن میں پڑھا ہے کہ ہمارا دل لپ ڈپ (Lup Dup) کررہا ہے تو وہ مسکرا کر بولے ''آپ نے طب کی تعلیم غیروں کی کتابوں سے حاصل کی وہ آپ کو ''اللہ ھو'' تو نہیں سکھائیں گے!''

تھوڑی دیر بعد دوسری بات یہ بتائی۔''آوازیں دو فرق ہیں۔یہ تو وہ لوگ بھی جانتے ہیں۔اگر گاڑی کی آواز کے ساتھ کوئی سے بھی الفاظ جوڑ دیئے جائیں تو لگتا ہے وہی آوازیں آرہی ہیں بس یہی سارا فلسفہ ہے۔''

بات سمجھ میں آجاتی ہے قلب پر تو وحی کا نزول ہوتا ہے اس لیے وہ ہمیشہ اللہ اللہ ہی کرتا ہے اس کے جواب میں روح کہتی ہے ''ھُو'' (ہاں وہی ہے یعنی معبود برحق)۔مزے کی بات ہے یہ ان کا ڈائیلاگ چل رہا ہے۔وہ قلب کو جواب دے کر خون میں بھاگتی ہے جس سے زندگی عطا ہوتی ہے تقریباً 68/70 مرتبہ ان کی یہ گفتگو ایک منٹ میں ہوتی ہے۔نہ کوئی اس کو روک سکتا ہے نہ ہی سانس کو، جب اللہ تعالیٰ اپنی روح کو اس جسم سے واپس بلالیں گے، تو دل اللہ کہہ کر بند ہوجائے گا۔پھر دنیا کی کوئی طاقت کوئی مشین اس کو زندگی عطا نہیں کرسکتی.....

اس دور میں روحانی عملیات کو بدعت کا نام دینا بڑی عام سی بات ہوچکی ہے۔حالانکہ بدعت یہ ہے کہ اگر ہم نماز روزہ حج اور زکوٰۃ کے طریقہ کو تبدیل کریں۔باقی تین واجبات ایسے ہیں انہیں کرنا ضرور ہے مگر طریقہ کھلا رکھا..... جہاد فی سبیل اللہ۔تبلیغ دین اور ذکر اللہ۔اگر آپؐ ان کے طریقے سختی سے مقرر کر جاتے تو اسلام میں کوئی تحقیق و ترقی نہیں ہوسکتی تھی۔

قرآنِ پاک کا اعجاز ہے جب بھی کوئی آیت یا سورہ دل میں اُتر جاتی ہے اس کا مفہوم سمجھ آنے لگتا ہے تو دوسروں کو بھی بتانے کو دل مائل ہوتا ہے۔کسی زمانہ میں سورہ فاتحہ کے اسرار و رموز کھلنے شروع ہوئے تو وہ بتانے کو دل کرتا تھا پھر آیت الکرسی اس کے بعد سورہ الم نشرح اور پھر سورہ تبارک الذی۔اب سورہ الشّمس اور سورہ محمد سورہ فتح پر دل آیا ہوا ہے۔ویسے سورہ یٰسین اور سورہ الرحمٰن پر بھی کسی حد تک عبور حاصل ہوا۔جب کہیں قرآن کی بات کرنے جانا ہوتا تو دعا سے پہلے تھوڑا قلبی خفی ذکر سے تعارف کرادیتی۔ایک مرتبہ کوئی خاتون محفل کے بعد گویا ہوئیں کہ اللہ ھُو کا ذکر کرنے والے جنگلوں میں بھاگ جاتے ہیں۔ ہنسی روکنا مشکل ہوگئی۔

جواب دیا.....''اگر باقی فرائض چھوڑ دیں گے اور بغیر استاد کے ایک ہی بات کے پیچھے لگے رہیں گے تو مجذوب بن سکتے ہیں۔'' ورنہ یہ تو ایسا عمل ہے جو عبادات میں خشوع و خضوع پیدا کرتا ہے اور زندگی میں آسانی عطا کرتا ہے۔

میں کوئی عالمہ نہیں ہوں دین کو سمجھنے کے بعد یہ معلوم ہوا علم حاصل کرنا اپنی اصلاح اور اپنے اردگرد کی اصلاح ہی پوری

زندگی کرنے کا کام ہے اور.....یہی مقصد حیات ہے۔

چند روحانی نسخے جن کو زندگی میں بہت فائدہ مند پایا۔ رات کو نیند نہیں آ رہی۔ دعائیں اور کلمات پڑھ چکیں تو آنکھیں بند کرنے کے بعد انگلیوں پر ایک سو ایک مرتبہ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم☆ پڑھی جائے۔ نہایت عمدہ نیند آئے گی البتہ دماغ کو سوچوں سے خالی کریں اور توجہ دل کی طرف مبذول کریں.....

یادداشت کیلئے جو طریقے ہم نے کامیابی سے آزمائے۔ صبح کی نماز کے بعد جب تسبیح کر رہے ہوں، دل میں اپنے دن بھر کے ضروری کام سوچتے جائیں اور بار بار انشاء اللہ کہتے رہیں۔ حقیقت میں انشاء اللہ کہنا اللہ تعالیٰ کا حکم ہے مگر ہماری کمزور یادداشت، عین کام سے پہلے بھول جاتے ہیں اس لیے دن شروع کرتے ہی بار بار کہا جائے تو حیرت ہوتی ہے۔ جب اس کام کا وقت ہوتا ہے باری تعالیٰ فوراً یاد کرا دیتے ہیں۔

دوسرا نسخہ: عصر کی نماز کے بعد دایاں ہاتھ سر کے دائیں طرف رکھیں اور گیارہ مرتبہ یَا حَافِظُ کا ورد کریں۔

یاد رکھنے کی ضروری بات یہ ہے انسانی طاقت توانائی اور قوت کا سرچشمہ ذات باری تعالیٰ ہے اس لیے مثبت سوچ رکھنا ایک نہایت ضروری نفسیاتی نکتہ ہے مگر شیطان کا کام منفی خیالات پیدا کرنا ہے چاہے وہ انسانوں کے بارہ میں ہوں یا حالات کے بارہ میں۔

منفی سوچ سے بچنے کے نسخے ربِ کریم نے عطا کیے ہیں۔ قرآن، نماز بلکہ وضو سے پیشتر تعوذ کا پڑھنا۔ پھر نہایت مجرب نسخہ قرآنِ پاک نے ہمیں سکھا دیا ہے۔

رَبِّ اَعُوۡذُبِکَ مِنۡ هَمَزٰتِ الشَّیٰطِیۡن☆

''اے میرے رب میں تیری پناہ مانگتا ہوں شیطان کے وسوسوں سے۔''

وَاَعُوۡذُ بِکَ رَبِّ اَنۡ یَّحۡضُرُوۡنِ☆ (آیت:۹۸۔ سورہ:۲۳)

''اور اے میرے رب میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں
اس سے کہ شیطان میرے پاس بھی آئے۔''

بعض اوقات اس طرح کے غم، پریشانیاں اور مصیبتیں انسان کو گھیر لیتی ہیں کہ سوچنے سمجھنے کی قوت مفلوج ہو جاتی ہے اس کے لیے بہترین روحانی نسخہ یہ ہے:

چالیس دن تک روزانہ سورہ یوسف پڑھی جائے اور دل میں اس کی آیت نمبر 86 کا ورد رکھا جائے۔

سورہ الکہف کی آیت نمبر 10 بھی ورد کیلئے بیحد مؤثر رہتی ہے۔

<u>ایک نومسلم کی کہانی</u>

ستمبر 2003 کے شروع میں ایک دلچسپ خواب دیکھا.....ایک چھوٹا کمرہ ہے جس میں چھت کے قریب ایک کھڑکی چوپٹ کھلی ہے فرش پر سرمئی رنگ کا قالین بچھا ہے۔ کمرہ کے وسط میں ایک شخص نیچے بیٹھا اللہ کو یاد کر رہا ہے۔ کھڑکی سے سرمئی رنگ کی روشنی اس کے اوپر فوکس ہو رہی ہے۔ اسی رنگ کا مردانہ گرم دوشالہ اس نے اوڑھ رکھا ہے۔ اس کے پچھلی طرف ایک دروازہ ہے میں داخل ہوتی ہوں۔ تھوڑا آگے بڑھ کر دیکھنا چاہتی ہوں کہ یہ کون شخص ہے۔ گوری رنگت، سنہری بال، آنکھیں بند کیے وہ اللہ سے لو لگائے پرسکون بیٹھا ہے۔

میرے لیے یہ چہرہ بالکل غیر مانوس تھا۔ دل میں خیال آتا ہے نجانے یہ کون ہے؟

اور اسی دوران آنکھ کھل جاتی ہے۔

ستمبر کے تیسرے ہفتے مجھے لاہور آنا تھا۔ لندن کے ایئرپورٹ پر چیک ان لائن میں اویس بیٹا بھی میرے ساتھ انتظار میں کھڑا تھا۔ ہمارے پاس سے ایک انگریز نوجوان گزرا۔ میں دوسری طرف دیکھ رہی تھی۔ اویس نے کہا ''ابھی جو آدمی گزرا ہے وہ آپ کی سہیلی کا داماد ہے۔''

آپ کو کیسے معلوم ہوا؟

''میرے بالکل قریب سے گزرا ہے سوٹ کیس پر اس کا نام پرنٹ ہوا میں نے دیکھا ہے۔''

وہ شخص درجہ اول کے کاؤنٹر پر چیک ان کے لیے کھڑا تھا۔ میری طرف اس کی پشت تھی اس لیے شکل نہ دیکھ سکتی تھی۔

اسی لمحہ میرے دماغ میں یہ سوچ آئی۔ ''اتفاق سے یہ اسی فلائیٹ میں جا رہا ہے کیوں نہ اس سے بات کی جائے!''

مسلسل دل و دماغ میں کشمکش چل رہی تھی کہ ملنا چاہیے یا نہیں؟ آخر کار دل کا فیصلہ یہی تھا کہ بات کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

جہاز کے عملہ نے اس کی سیٹ تک رہنمائی کر دی۔

جونہی میں نے اس کی شکل دیکھی ٹھٹھک کر رہ گئی۔ یہ وہی انسان تھا جس کو میں نے خواب میں دیکھا تھا!

اپنا تعارف کرایا۔ ''تمھاری بیوی کی والدہ میری گہری سہیلی ہے۔ ان لوگوں کا خیال ہے تمھیں عمرہ کرنا چاہیے۔'

وہ حیرت سے بولا۔ ''ہمارا ارادہ ہے جب قسمت میں ہوگا ضرور جائیں گے۔''

خدا حافظ کہہ کر واپس سیٹ پر آ گئی۔

اس نوجوان کی کہانی اس طرح ہے .....مغربی معاشرہ سے نفرت تھی والد لندن میں ڈاکٹر تھے اولاد کی اچھی تربیت کی ان کے خیال میں انسان کا اخلاق اور کردار ٹھیک ہونا چاہیے۔ کسی بھی مذہب پر عمل نہیں کرتے تھے۔

اس نوجوان کا ایک مسلمان دوست تھا جس کے ساتھ کبھی کبھی نومسلم شیخ ابوبکر سراج (مارٹن لنکز) کی محفل میں جایا کرتا تھا۔ اسی شیخ کی ہدایت پر اس شخص نے اسلام قبول کر لیا اور حبیب الرحمٰن نام بھی انھوں نے رکھا۔

ایک روز یہ اپنے دوست رضا کے ساتھ شیخ ابوبکر سراج کی محفل میں بیٹھا تھا چند لڑکیاں شیخ سے ملنے آئیں۔ ان میں سے ایک رفعت نام کی لڑکی بہت سوال پوچھ رہی تھی۔ جب محفل برخاست ہوئی تو حبیب نے اپنے دوست رضا سے راز داری میں کہا اگر رفعت شادی شدہ نہیں ہے تو اس کی شادی کرا دے۔

اس طرح دوست کے ذریعہ بات پکی ہوگئی۔ رفعت اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہی تھی اور اس کا بڑا بھائی اسی شہر میں ایک اچھی کمپنی میں ملازم تھا اس لیے شادی کا مسئلہ بھی حل ہو گیا۔

لاہور میں رفعت کے والدین کو اپنا خواب سنایا تو وہ دنوں مسکرائے چونکہ انھیں بھی اس بارہ میں اچھے خواب دکھا دیے گئے تھے۔

حق بات ہے اللہ تعالیٰ سچے لوگوں کی گواہی خود دے سکتے ہیں..... اللہ تعالیٰ انھیں ہمیشہ ہدایت پر ثابت قدم رکھے۔ (آمین)

# تجھے عارضہ کوئی اور ہے.....!

ہم تو ہر بار اس امید پر ڈاکٹر کے پاس جاتے ہیں کہ شاید وہ کبھی یہ کہہ دے.....ایک جلی کٹی تحریر

کبھی کبھی اچھی سی گاڑی میں بُرے سے آدمی کو بیٹھا دیکھ کر آپ کے دل میں یہ خیال ضرور آیا ہوگا کہ ''اس آدمی کی جگہ اگر ہم ہوتے تو کیا بُرا تھا!'' کبھی کسی اچھے سے گھر کو دیکھ کر دل نے کہا ہوگا کہ ''ایسا ہی گھر ہمارا بھی ہوتا!'' کبھی کسی بہت پیارے سے بچے کو دیکھ کر دل نے کہا ہوگا کہ ''اگر یہ بچہ ہمارا ہوتا تو کتنا اچھا ہوتا'' کبھی کسی چہرے پر دائمی مسکراہٹ دیکھ کر آپ کے دل میں خیال آیا ہوگا کہ ''اگر ایک دائمی مسکراہٹ ہمارے چہرے پر ہوتی تو کیا مضائقہ تھا!''

(یہ دل بھی نہایت نامعقول چیز ہے۔ارے جس کام کے لئے بنایا گیا ہے وہی کام صحیح طرح سے کرلیا کرے۔مگر ہر کام میں ٹانگ اڑاتا، ہر مسئلے میں گھس جاتا ہے۔اس اضافی مشقت کے باعث اتنی جلدی ریٹائر ہو جاتا ہے،کبھی بلاک ہو جاتا ہے،کبھی تھم جاتا ہے،کبھی رُک جاتا ہے،کبھی سکڑ جاتا ہے کبھی بڑھ جاتا ہے،کبھی لخت لخت ہو جاتا ہے،نہ کبھی اس کی رفتار تسلی بخش رہتی ہے نا کارکردگی.....)

مگر کیا کسی بیمار کو دیکھ کر آپ کے دل میں خیال آیا کہ ''اس کی جگہ ہم کیوں نہ ہوئے!'' اب آپ کے دل کی مرضی، اس میں خیال آئے یا نہ آئے.....(ہم کو اس سے کیا؟) ہمارا تو کل اثاثہ ہی یہی دل ہے۔سو دل کی سنتے، دل سے کہتے، دل کو ٹٹولتے، دل کی مانتے اور دل کو ماننے پر مجبور کرتے رہتے ہیں۔جو بات ہم سے ہضم نہیں ہوتی جھٹ دل میں ڈال دیتے ہیں چنانچہ ہمارا دل ہمارے پرس اور ہماری الماری کی طرح ہر وقت ٹھسم ٹھس رہتا ہے۔ہم سوچتے رہ جاتے ہیں کہ فرصت ملے تو کاٹھ کباڑ چھانٹی کریں اور مزید کی گنجائش نکالیں۔مگر یہ کاٹھ کباڑ خود ہی خونِ جگر میں تحلیل ہوتا جاتا ہے اور ہم جگر کا فعل درست رکھنے کے لئے دوائی کھاتے رہتے ہیں۔سو ہمارا دل شاہراہِ فیصل کی طرح ٹریفک جام کا شکار رہتا ہے۔چنانچہ ایک ''بیمار'' کو دیکھ کر ہمارے بھی دل میں خیال آیا کہ ''ہم بھی علاج کے لئے باہر گئے ہوتے!'' ادھر چکرا کے گرتے اُدھر ایک اڑن کھٹولا آتا اور لال پری کو لانے کے بجائے ہمیں لے جاتا (کہ ائی ائی اواو!) وہاں سے ہم ہسپتال میں یوں داخل کیے جاتے جیسے دلہن سسرال داخل کی جاتی ہے۔آراستہ پیراستہ کمرہ ہوتا، خوشبو سے معطر فضا ہوتی، سفید فام نرسیں ہوتیں، جن کے دست و بازو اور پنڈلیاں دیکھ دیکھ کر آدھا مرض تو رفو چکر ہو ہی جاتا باقی آدھا ہم مزید آرام کے لئے رکھ چھوڑتے۔ ہسپتال سے فارغ ہوتے تو دیارِ غیر میں موجود اپنے ذاتی گھر میں منتقل ہو جاتے۔کچھ دن اشاروں میں باتیں کرتے اور

سرگوشیوں میں معاملات طے کرتے اور جب اس فلم کی فلمبندی مکمل ہو جاتی تو پہلے کی طرح ہشاش بشاش لوٹ آتے .....! پریس کانفرنس میں صحافیوں کے سوالوں کے جواب دینے کی بجائے اپنی مخصوص مسکراہٹ سے انہیں دیکھتے اور سمجھنے والے سمجھ جاتے کہ

کبھی لوٹ آئیں تو پوچھنا نہیں دیکھنا انہیں غور سے
جنہیں ڈاکٹروں نے یہ کہہ دیا ''تجھے عارضہ کوئی اور ہے!''

عارضے کا کیا ہے لاحق ہو ہی جاتا ہے۔آدمی چاہے نہ چاہے بیمار پڑ ہی جاتا ہے ۔ یوں بھی کونسا کوئی کام ہماری مرضی اور منشاء سے ہونا قرار پاتا ہے؟ کبھی ہم حسنِ کرشمہ ساز کو کچھ بھی کرنے کا اختیار سونپ دیتے ہیں اور کبھی قسمت سب کچھ کرکرا کے ہمیں فارغ کر دیتی ہے ۔ ہم صرف پہلو بدلتے اور ہاتھ ملتے رہ جاتے ہیں کہ کچھ ہم نے بھی کیا ہوتا! کچھ ہم سے بھی ہوا ہوتا!

خیر..... ہمارے چاہنے نہ چاہنے سے کیا ہوتا ہے !! ہم لاکھ بیماری سے دور رہنا چاہیں، پھونک پھونک کر پانی پئیں، چھان چھان کر روٹی پکائیں، مرغن کھانوں سے یوں دور دور رہیں جیسے اپنے اپنوں سے دور رہتے ہیں ۔ میٹھے کو دیکھ کر ایسے منہ پھیر لیں جیسے ریسٹورنٹ میں کلاس فیلو کو دیکھ کر پھیر لیتے ہیں (ہر چند کہ نہ پھیرنا چاہئیں)، صحت کے اصولوں پر سختی سے کاربند رہیں محتاط رہیں، احتیاط کریں.....مگر بیماری یوں یکا یک .....اچانک آجاتی ہے جیسے اچانک دوبئ سے ''وہ'' آجاتے ہیں ۔ وہ تو آکر بلاول ہاؤس چلے جاتے ہیں بیماری آکر ہمیں یوں دبوچ لیتی ہے جیسے مزاحمت کرنے پر بھتہ خور آپ کو دبوچ لیتے ہیں ۔ ہم اس کا منہ دیکھتے رہ جاتے ہیں اور ہمارے منہ کو ڈاکٹر دیکھتا رہ جاتا ہے ۔ اس ادھ موئے منہ پر ٹارچ سے روشنی ڈالتے ہوئے کہتا جاتا ہے کہ'' منہ کھولیے! (اور ہم ہیں کہ منہ میں زبان رکھنے اور منہ کھولنے کا اختیار ملنے پر بھی عرضِ مدعا نہیں کر سکتے !) زبان باہر نکالیے .....آ.....آ.....'' لیکن یہ منہ دکھائی بھی عجیب ہوتی ہے یعنی منہ ہمارا دیکھا جاتا ہے اور ''سلامی'' منہ دیکھنے والے کو ملتی ہے (ایسا منہ کس کام کا!)

پتہ نہیں ہمیں منہ دیکھنے کی کیوں عادت ہے ! (اس کو تکتا ہوں کہ دم توڑتا ہوں .....آنکھ روشن ہے کہ پتھرائی ہے!) کبھی حالات کا منہ دیکھتے ہیں، کبھی احباب کا منہ دیکھتے ہی، کبھی اخراجات کا منہ دیکھتے ہی اور جب دیکھنے کو کسی کا منہ نہ ہو تو اپنا ہی منہ دیکھتے ہیں اور ہر ہر زاویے سے دیکھتے ہیں کہ کسی زاویے سے تو اچھا لگ جائے!

ایک ان کا منہ ہے! شادماں! پیہم جواں! بیماری کے بعد بھی چہرے پر وہی بشاشت! ہونٹوں پر وہی مسکراہٹ! (جو اٹھارہ کروڑ عوام سے کوسوں دور نکل چکی ہے) کس قدر قابلِ رشک بات ہے! یہاں تو بیماری سے پہلے بھی بشاشت کا فقدان .....مسکراہٹ کا بحران ۔ اور بیماری کے بعد تو..... چراغِ رخ زیبا لیکر ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتی ۔ ہم تو ہر بار اس امید پہ ڈاکٹر کے پاس جاتے ہیں کہ شاید وہ کبھی یہ کہدے کہ'' آب و ہوا کی تبدیلی ان کے لئے بے حد ضروری ہے ۔ انہیں کسی ہل اسٹیشن لے جائیں'' (ہم بیماری و بیماری بھول کر خوشی سے جھوم اٹھیں ، مگر تف ہے ان

ڈاکٹروں پر جو ہمارے مطلب کی بات نہیں کرتے )

ڈاکٹروں کو دیکھئے ! جانے کس دنیا میں رہتے ہیں ،غریب مریضوں کو دودھ، دہی ،تازہ پھل اور گوشت کھانے کا مشورہ دیکر ایک درجن دوائی نسخے میں لکھ دیتے ہیں اور بھاری فیس وصول کر لیتے ہیں ۔مریض بچارہ سوچتا رہ جاتا ہے کہ( درد منّت کشِ دوا نہ ہوا..... میں نہ اچھا ہوا برا نہ ہوا)

ایک ڈاکٹر نے اچھے کھانے کا مشورہ دیکر
ہم غریبوں کی بیماری کا اڑایا ہے مذاق

غریبوں کو خود سوچنا چاہیے کہ ان کے بیمار پڑنے کا کیا فائدہ ہے..... کیونکہ نہ تو ان کو ہسپتال میں وی آئی پی کمرہ مل سکتا ہے نہ ڈاکٹرز ان کے آگے پیچھے پھر سکتے ہیں ۔ نہ ان کے غریب رشتہ داران کے لئے بُو کے اور تازہ پھلوں کے تحفے لا سکتے ہیں ۔ نہ ان کی اخراجات سے تنگ آئی چڑچڑی بیگم ان کی خوش دلی سے خدمت گزاری کر سکتی ہیں ۔ نہ ان کے بھائی بہن ان کے نام پہ کالا بکرا صدقہ کر سکتے ہیں نہ ان کے ملازمین تیمارداری کے لئے حکم کے منتظر کھڑے رہ سکتے ہیں ۔اب تو صورتِ حال یہ ہے کہ ابّا ہسپتال سے ڈسچارج ہوں تو بیٹا ان کی تیمارداری اور اخراجات سے گھبرا کر ان سے کہتا ہے کہ ''تم اچھے ابا ہو، نکل کیوں نہیں جاتے !!''

☆☆☆

# کھاتے پیتے لوگ

مجھے اور آپ کو اگر کوئی کھاتے پیتے گھرانے سے منسوب کرلے تو سن کر کتنا اچھا لگتا ہے نا!

آپ نے اکثر سنا ہوگا اور شاید پڑھا بھی ہوگا کہ بغیر کھائے کوئی نہیں مرتا لیکن زیادہ کھانے سے اکثر لوگ موت کا شکار ہو جاتے ہیں۔ میں سمجھتی ہوں کہ جملہ کچھ ٹھیک طرح سے ہم پر فِٹ نہیں ہوتا۔ بُرا نہ منایئے گا، کہہ لیں مجھ پر فٹ نہیں ہوتا۔

طرح طرح کے کھانے اور ہر قسم کی بھوک بھی تو آپ نے سنا ہی ہوگا تو یہ کیسے ممکن ہے کہ گرمیوں اور سردیوں کے کچھ دنوں میں جب بھوک ایکدم اُمڈ اُمڈ کر آتی ہے اور بارش میں تو پکوڑے، جلیبیاں جب تک نہ ہوں لگتا ہے ہم بالکل بد ذوق ہیں۔ چلیں موسم کو بھی ایک طرف کر دیں۔ میں تو صرف اپنا موازانہ کروں کہ کھانا تو زندگی کے لئے بے حد ضروری ہے پوری رات کا بھوکا اُٹھ کر انسان صرف چائے اور توس پر گزارہ کر لے حالانکہ یہ مقولہ تو پڑھا ہی ہوگا کہ ناشتہ کر و شہنشاہوں والا۔ مجھے تو یہ بات ہی بھائی ہے۔ ڈٹ کر ناشتہ کرنا، پائے پراٹھے ساتھ ہی آم کا شیک۔ کئی بار تو ایسے اقوال کو سن کر عمل کرنے کی وجہ سے بے احتیاطی ہو جاتی ہے۔ آج کے دور میں لڑکیاں ڈائٹنگ کر کر کے جان سے ہاتھ دھو بیٹھتی ہیں صرف کمر کو شیپ دینے کے لئے ..... شکلوں کو تو پھر دیکھنا ہی چھوڑ دیتی ہیں مریضوں والے پیلے چہرے تو بہ! پھر زیادہ سے زیادہ سامان میک اپ کی فروخت نہ ہو تو کیا ہو؟

ویسے بچوں کی طرح وقفے وقفے سے جوس چپس اور کیک چاکلیٹ سے لطف اندوز ہو کر دیکھا ہے؟ بچپن یاد نہ آئے تو بتانا۔ واقعی اس وقت اللہ کی نعمتوں کا شکر منہ سے بے اختیار نکلتا ہے۔

اور جب کہیں مدعو کیے جائیں تو یقین کریں صبح سے کچھ نہیں کھایا جاتا، تیاریوں ہی میں لگے رہتے ہیں، سوچتے ہیں اب تو اکٹھے دعوت ہی پر کھانا کھائیں گے لیکن ہاں دوسروں کی محبت اور اتنی محنت کو نظر انداز بھی تو نہیں کر سکتے ناں! لیکن پھر یاد آتا ہے کھانا دوسروں کا لیکن پیٹ تو اپنا ہے نا بھئی ..... جس کا درد نہ گیسٹو فل سے جاتا ہے نہ اسپغول اور اینو فروٹ سالٹ ہی اس وقت ساتھ دیتا ہے۔

بُرا ہو اِن فاسٹ فوڈ چین والوں کا، انہوں نے ہی ہمیں یہ سب کرنے پر مجبور کیا ہے حالانکہ ہم گھر میں پھر بھی کنٹرول کر جاتے ہیں۔ پھر جب پاکستان جاؤ تو کراچی کے ٹھیلے اور رنگ برنگی خوشبو دار چاٹ، دہی بڑے، گول گپے ..... کس نعمت کا نام نہ لیں۔ پھر صبر نہیں ہوتا تو سوچتے ہیں کہ ہم کونسا روز روز پاکستان جاتے ہیں، یہاں تو ایسا

کوئی ماحول ہی نہیں بہت بدذوق ہیں یہاں کے لوگ!

ویسے رمضان میں بھوک پر صبر کرنا ان ٹی وی چینلز کے ساتھ..... کتنا مشکل کام ہے! جان بوجھ کر کھانے پر ابھارتے ہیں۔کبھی برگر اور کچپ دکھا دکھا کر اور کبھی کوکنگ شوز پیش کر کر کے..... ہمارا روزہ تو یہی لوگ خراب کرتے ہیں لیکن بتائیں نا! پورے دن کا روزہ گزرے بھی تو کیسے ٹی وی کے بغیر!

شوہروں کو اکثر شکایت ہے کہ بیویاں بہت جلد موٹی ہو جاتی ہیں۔ میں عورت ہونے کی حیثیت سے یہ سوال کرتی ہوں کہ پورے دن کا کام کاج، فون، بچوں کے ساتھ تھک تھک کر بھی اگر محنت کر کر کے کھانا پکائے تو کیا وہ کھائے بھی نا! کتنی معصوم ہے یہ عورت کہ بچوں کا بچا کھچا کھانا بھی خود کھائے۔ دعوتوں میں بچی ہوئی سویٹ ڈش اور سلاد چاول بھی اسی کو ختم کرنا پڑتے ہیں صرف اس وجہ سے کہ کوڑے دان میں کھانا پھینکنا نہ پڑے۔ستم گری یہ کہ نئی ترکیب سے پکائے ہوئے کھانے بھی گھر والوں کو پسند نہ آئیں تو وہ بھی یہ معصوم بیوی ہی ختم کرتی ہے۔لیکن ہاں میاں سے لاڈ کرنے کو جب دل کہتا ہے یا طبیعت خراب ہونے پر اکثر بستر سے اٹھنے کو دل نہ چاہے ہوٹل والوں کے لئے دل سے دعا نکلتی ہے۔ درس اور کلاسز میں مصروفیت رہتی ہے لیکن پھر بھی ہم عورت ہی ہیں جو بھوکی پیاسی پروگرام میں ضرور جاتی ہے کہ وہاں ریفریشمنٹ کا انتظام تو ضرور ہی ہوگا۔

ناخن کھانا، چغلی کھانا، دوسروں کا بھیجا کھانا، ہیں تو کھانے کے ہی خاندان سے لیکن میں نے سنا ہے بہت بُری بات ہے لیکن میں تو آپ سے شیئر کر رہی ہوں کیونکہ میں تو آپ کو سنا رہی ہوں کون میری پورے دن کی بپتا سنے گا؟

میں تو یہ کہتی ہوں اللہ جب نعمت دیتا ہے تو اس کو کھانا چاہیے۔تاکہ اللہ کا شکر ادا کر سکیں۔

☆☆☆

# تاخیر

جب ہم تختی پر ٹیڑھے سیدھے نقش بنانا سیکھتے تھے اور کڑی دوپہروں میں سوچا کرتے تھے کہ ہم کتنے مظلوم ہیں! ایک اعتراف

آج اتوار ہے جو سب دنوں سے زیادہ مصروف ہوتا ہے کیونکہ ''بڑے بچے اور چھوٹے بچے'' سب گھر ہوتے ہیں سوناشتہ کافی دن چڑھے کیا جاتا ہے اور اتنی ہی تاخیر سے دوپہر کا کھانا کھایا جاتا ہے۔ ابھی دوپہر ہوئی تھی تو بچوں نے کھانے کا تقاضا شروع کر دیا، ناشتہ بالکل ہلکا کیا تھا، صفائی کا کام ادھورا چھوڑ کر میں کچن میں جا گھسی تا کہ جلدی سے بچوں کے لئے مرغ پلاؤ تیار کر دوں۔ میرے ہاتھ میں پکڑی چھری پیاز، لہسن، ٹماٹر اور سبز مرچوں سے کھیلنے میں مصروف تھی جبکہ ذہن ایک ہفتہ پہلے پڑھی خبر میں مصروف تھا کہ۔

''بوڑھے لوگوں نے اولڈ ہوم میں عید اپنے پیاروں کا انتظار کرتے گزاری۔''

یہ خبر ٹھنڈی لہر کی طرح میرے وجود میں اتر گئی اور میں سوچوں ہی سوچوں میں عافیت گھر جا پہنچی۔ ابھی خیالات کی دنیا میں میں ان لوگوں سے پوچھنے میں مصروف تھی کہ کیا تم لوگوں نے اپنی جوانی ان بچوں کو جوان کرنے میں خرچ نہیں کی تھی؟ تم نے تو اپنی جوانی کی ہر خواہش کو اپنے معصوم بچوں کی خواہش پر قربان کر دیا تھا۔ تم نے دن کا سکھ اور رات کا چین سب ان کو بڑا کرنے پر لگا دیا تھا۔ ان کے لبوں کی ایک مسکراہٹ کس طرح تمہاری روح میں اتر جاتی تھی ..... ہر بچے کے چہرے میں تمہیں اپنا بچہ نظر آتا تھا۔ ان کو بڑھتے دیکھ کر تمہیں یوں لگتا تھا کہ تم دوبارہ جوان ہو رہے ہو۔ لیکن یہ سب کیسے ہو گیا؟ جب وہ آپ کو یہاں کے ٹھنڈے اور اداسی سے بھرپور ماحول کے سپرد کرنے آئے تھے تو کیا بچپن اور لڑکپن کا کوئی منظر ان کی آنکھ میں نہیں ابھرا تھا؟ کیا انہیں آپ کی تنہائی اداسی اور انتظار کا خیال نہیں آیا تھا؟ کیا محبتوں کے سب رنگ پھیکے پڑ چکے تھے؟ کیا سب وفائیں بدلتے موسموں کی طرح بدل چکی تھیں؟ آپ کا داخلہ اولڈ ہومز میں کرواتے وقت اداسی کی کوئی لہر ان کے دل میں نہیں اتری کہ گھر واپس جائیں گے تو بوڑھی محبت بھری آنکھیں ہماری منتظر نہیں ہوں گی۔ گھر کا آنگن خاموش ہوگا، وہ ہر لمحہ نصیحت کرنے والی ہستیوں سے گھر خالی ہوگا۔

شاید وہ اتنے مضبوط تھے کہ یہ ننھی منی سوچیں ان کا کچھ نہ بگاڑ سکیں۔ وہ اطمینان سے آپ کا داخلہ یہاں کروا کے بلکہ بڑی فراخدلی سے سال بھر کی ایڈوانس فیس بھی جمع کروا کے چلے گئے کہ اگر کوئی باغی سوچ کہیں دل و دماغ کو جھنجھوڑنے میں کامیاب ہو بھی جائے تو تسلی کے لئے یہ خیال کافی ہوگا کہ سال ختم ہوتے ہی گھر لے آئیں گے۔

بس میں عافیت گھر کے مکینوں سے تصورات کی دنیا میں ایسے ہی سوال و جواب میں مصروف تھی کہ اچانک بڑا بیٹا کچن میں آ نکلا۔ میں نے کہا، بیٹا جلدی جلدی ٹیسٹ کی

تیاری کرولواتنی دیر میں کھانا بن جائے گا۔فقرہ کچھ زیادہ ہی نرمی سے کہا گیا تھا، وہ پلٹ کر بولا ماما آج آپ کو کیا ہو گیا؟ آج تو آپ بڑے پیار سے بول رہی ہیں۔بس دل تو پہلے ہی عافیت والوں سے مل کر بھرا ہوا تھا، آنکھوں سے بن بادل برسات شروع ہوگئی۔ ماں باپ بھی کتنی مجبور ہستیاں ہیں۔ تن من دھن سب کچھ بچوں پر لگا دیتے ہیں۔ ہر وقت بچوں کی آنکھ میں اتری مسکراہٹیں تلاش کرنے میں مگن رہتے ہیں اور اگر سختی کرتے بھی ہیں تو صرف بچوں کی تعلیم و تربیت اور ان کے بہتر مستقبل کے لئے۔ غصے سے ڈانٹ دیں تو خود ہی پریشان ہو جاتے ہیں لیکن بچے ..... انہیں سب پیار اور دلجوئیاں بھول جاتی ہیں اور یاد رہتی ہے تو فقط ڈانٹ۔

ابھی میں نے ایسا سوچا ہی تھا کہ اندر سے ایک محاسب سوچ ابھری کہ تم بھی بچپن میں ایسا ہی کرتی تھی۔سوچ واقعی بہت بچپن میں جا نکلی ایسا بچپن جس میں جنگ تفکرات نہیں بس ہنگاموں کا پیش خیمہ محسوس ہوتی تھی، جب ذہن جنگ کے نقصان کا حساب لگانے میں ابھی ماہر نہ تھا اتنا یاد ہے کہ رات کو بتیاں گل رکھنے کا حکم تھا۔ وہ بچپن واقعی اتنا نادان تھا کہ جب ہم جنگ ہار گئے، بنگلہ دیش بن گیا تو بھی اک عام سا، سرسری سا حادثہ لگا، وہ ایسا ہی بچپن تھا جس میں کھلونے ٹوٹنے کا حادثہ ہی دل کا چین اور راتوں کی نیندلے لیتا تھا، وہ ابھی شاید دانہ ڈال کے چڑیا پکڑنے کا زمانہ تھا۔ ان دنوں میرے نانا محترم (اللہ انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے) مجھے حرفوں سے لفظ، اور لفظوں سے کلمات بنانا بڑی جانفشانی سے سکھایا کرتے تھے، صبح ناشتے کے بعد لیکر بیٹھتے تو دوپہر ہو جاتی، دوپہر کا کھانا کھا کر ہم آرام کرتے اور شام پھر ان کی ہمارے نام ہوتی جس میں ہم تختی پر سیدھے، ٹیڑھے نقش و نگار بنانا سیکھتے تھے، اور کتنی ہی دیر قلم پکڑنا سکھانے پر لگاتے اور دائرہ گول کروانے پر بڑی جان کھپاتے تھے، انہوں نے ہمارے اوپر بڑی محنت کی، ہمارے دائرے ہماری نالائقی کی بنا پر پورے گول تو نہ ہو سکے تاہم انہیں اب کوئی بیضوی ہونے کا الزام نہیں دے سکتا۔ان کڑی دوپہروں میں ہم بھی یہی سوچا کرتے تھے کہ ہم بڑے مظلوم ہیں۔اور آج میں بہت برسوں بعد یہ اعتراف کر رہی ہوں کہ انہوں نے ہم پر بڑی محنت کی، یہ محض ان کی جانفشانی ہے کہ ہم کندن بن گئے۔بچپن میں ہم اپنی ماں کے بارے میں بھی یہی سمجھتے تھے کہ وہ ہم پر بہت سختی کرتی ہے اور اپنی سہیلیوں کی ماؤں سے موازنہ کرتے تھے کہ فلاں کی امی تو زیادہ کھیلنے سے منع کرتیں، سختی نہیں کرتیں وغیرہ وغیرہ۔لیکن آج میں جلوت و خلوت کی ہر مجلس میں تسلیم کرتی ہوں کہ اگر انہوں نے ہمارے اوپر سختی نہ کی ہوتی، ہماری صلاحیتوں اور وقت کو سینت سینت کے نہ رکھا ہوتا تو آج ہم ان کی نرمی کو اپنے سارے نقصان کے لئے مورد الزام ٹھہرا رہے ہوتے۔

میں نے اپنے بزرگوں کو تسلیم کرنے میں کتنے برس لگا دیئے اور خود چاہتی ہوں کہ بچے آج ہی تسلیم کر لیں۔کتنا اچھا ہو اگر ہم اعتراف کرنے میں اتنی تاخیر نہ کریں!!

☆☆☆

# اُنؐ سے ہی مجھے نسبت ہے مگر.....

میں نے بچپن سے بہت محبتیں دیکھیں۔ آنکھ کھولی تو اپنے اطراف لوگوں کو پایا جنھوں نے مجھے سنبھال سنبھال کر رکھا۔ ہر مطالبہ پورا کیا۔ ہر موقع پر ساتھ رہے۔ آج میں ان تمام لوگوں سے بہت دور ہوں۔ جسمانی طور پر دور۔ پھر اللہ نے مجھے اور لوگ دیے جنھوں نے مجھ سے محبت کی اور جن سے میں نے محبت کی۔ میرا ان سب سے تعلق ہے، نسبت ہے، چاہے وہ قریب ہوں یا دور۔ ہاں! دنیا میں اپنی نسبتوں ہی کی وجہ سے تو پہچانی جاتی ہوں۔ بھلا مجھے دنیا میں کون جانتا ہوگا؟ لوگ مجھ سے نسبتیں ہی تو پوچھتے ہیں۔ کس کی بیوی ہو؟ کس کی ماں ہو؟ کس کی بیٹی ہو؟ کس خاندان سے تعلق ہے؟ کس کی امتی ہو؟ ارے! یہ تم نے کیا پوچھ لیا؟ یوں تو میں نے کبھی سوچا ہی نہیں.....لیکن آج دنیا میں ہر شخص مجھے صرف اسی نسبت سے کیوں پوچھ رہا ہے۔

یہ نسبت تو مجھے ہر چھوٹے دائرے سے نکال کر باہر کھڑا کیے دے رہی ہے۔

کہاں میں کہاں یہ مقام اللہ اللہ!

میرے اندر آوازوں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ آج پہلی بار میں نے اس نسبت کے بارے میں سوچا ہے۔ تعلق ان سے جن کا نام محمدؐ ہے اور جو مقامِ محمود پر فائز ہوں گے۔ وہ مقام جو وجہ تعریف اور حمد وستائش ہے۔ جہاں نہ خوف ہے نہ حزن۔ اُنؐ سے جو قیامت کے دن اولادِ آدم کے سید وسردار ہوں گے اور میں .....دنیا میں ذلیل وخوار ہوں۔ نسبت انؐ سے جو کردار ہی کردار تھے۔ اور میں جو صرف اور صرف گفتار ہوں۔ انؐ سے کہ نبوت سے پہلے بھی جن کو فیصلہ کرنے والا بنایا گیا اور میں جو اپنے فیصلے دنیا کے ہر دربار سے کراتی ہوں نسبت اُنؐ سے کہ جو کمر سے پکڑ پکڑ کر لوگوں کو آگ سے نکالتے رہے اور میں جو لپک لپک کر شعلوں کی طرف جا رہی ہوں۔

نسبت اُنؐ سے کہ جو پرانے دشمنوں کو بھی جوڑتے رہے اور میں .....کہ میرے وجود کا ہر ٹکڑا الگ الگ جا گرا۔ نسبت اُنؐ سے کہ جنھوں نے مجھے آبگینہ ٹھہرایا اور میں کہ شمع محفل بننے کے لیے بیتاب رہی۔ نسبت اُنؐ سے کہ جنھوں نے سارے جہان کے بتوں کو توڑا اور میں کہ اپنی خواہش کے بت کو دل کے مندر میں پوجتی رہی۔ نسبت اُنؐ سے کہ جو حوضِ کوثر کے ساقی ہوں گے اور میں کہ دنیا کے ہر در سے پانی کی متلاشی ہوں۔ وہ جو سراپا سجود تھے۔ اور میں! جس پر ایک ایک سجدہ بھاری ہے۔ وہ کہ جنھوں نے آخرت کو دنیا پر ترجیح دی اور میں کہ دنیا کی سوداگر بن گئی۔ وہ کہ جنھوں نے پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا اور میں کہ کبھی خالی پیٹ نہ رہ سکی۔ وہ کہ جنھیں میری محبت تڑپاتی رہی اور میں کہ انھیںؐ بھول کر

زندگی کی ہر راہ کا انتخاب کرتی رہی۔ وہؑ جو مجھے میرے رب کی پہچان کرا کرا احسن تقویم کے مرتبے تک لے جانا چاہ رہے ہیں اور میں جو اسفل السافلین ہی بننے پر مصر ہوں۔ آج پہلی بار میرا چور پکڑا گیا۔ سنو.....! تم جو محبت کے دعوے کرتی ہو ذرا ان کو دیکھو جو اُنؐ سے واقعی محبت کرتے تھے۔ ابوبکرؓ کو دیکھو سارا مال لے آئے وہیں، کیا تم زیور کا ایک سیٹ بھی ڈھیر پر لا کر ڈال سکتی ہو؟ عمرؓ کو دیکھو اسلام لاتے ہی مسلمانوں کو حرم میں لا کر نماز ادا کروا رہے ہیں۔ تمھارے اسلام سے امت کو چھوڑو خود تمھیں کیا فائدہ پہنچا؟ ان کو دیکھو جو محمدؐ کے وضو کا پانی بھی زمین پر نہیں گرنے دیتے اور تم جو احکاماتِ محمدؐ کو پاؤں تلے روندتی ہو۔ وہ جنھوں نے اپنا سب کچھ لٹا دیا اور تم.....ایک خواہش نفس بھی نہ قربان کر سکیں۔ کیا تم نے کبھی ایسے بھی ان کے لیے دعائیں کیں جیسے اپنے ماں باپ کے لیے کرتی ہو؟ کیا کبھی ایسے بھی اطاعت کی جیسے اپنے والدین اور شوہر کی کرتی ہو؟ کیا کبھی ایسے بھی محبت کی جیسی اپنی اولاد سے کرتی ہو؟ کیا کبھی ایسے بھی دوست جانا جیسے اپنے آپ کو جانتی ہو؟ کیا کبھی یوں بھی سوچا کہ اگر وہؐ آ جائیں تمھارے گھر میں تو کیا کیا چیزیں گھر سے نکالنی ہوں گی؟ کیا کبھی اپنے رب سے یہ بھی مانگا کہ خواب ہی میں اُنؐ کا دیدار نصیب ہو جائے؟ کبھی جنت کی خواہش اس لیے بھی کی کہ وہاں اُنؐ سے ملاقات ہو گی؟ کیا کبھی اس مشن کو بھی جانا جس کی خاطر انھوںؐ نے اپنی جان کھپا دی؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو سنو.....! اس دن جو کہ بڑا سخت ہو گا۔ جوانوں کو بوڑھا کر دینے والا تو تم کس منہ سے اُنؐ کا سامنا کرو گی؟ کیا کہہ کر شفاعت کے لیے پکارو گی؟ کس نسبت کا واسطہ دو گی؟؟؟

وہ جو میرے غم میں گھلا کیا اسے میں نے دل سے بھلا دیا!

# پیاری امّاں جان

ماں جیسی پیاری ہستی جب اس دار فانی سے دار آخرت پر روانہ ہو جاتی ہے تو احساس ہوتا ہے کہ ہم کتنی بڑی نعمت سے محروم ہو گئے۔

17 دسمبر 2005ء جمعہ کے روز چاشت کے وقت میری پیاری اماں بھی ہم سب بھائی بہنوں سے جدا ہو کر اپنے پیارے رب کے حضور کلمہ پڑھتے ہوئے روانہ ہو گئیں۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون) ان کی بے شمار خوبیاں یاد آتی ہیں، تو حیرت ہوتی ہے کہ وہ کتنی الوالعزم جفاکش، جدو جہد کرنے والی تھیں۔ انہوں نے اپنی زندگی میں آرام پر محنت اور جدوجہد کو ترجیح دی۔ اور ساتھ میں ہم چھ بھائی بہنوں کی تعلیم وتربیت پر بھی نظر رکھی ہندوستان سے ہجرت کر کے پاکستان آنے کے ساتھ ہی گردش ایام کا سلسلہ شروع ہوا تو حالات کا مقابلہ بڑی ذہانت سے کیا۔ ہر قسم کے حالات میں صبر اور شکر کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دیا گھریلو اخراجات میں توازن رکھنے کیلئے مالی طور پر خود کو تیار رکھتی تھیں۔ اس کے لئے بچوں کو مدرسے میں قرآن پڑھانے سے لے کر ہر قسم کی سلائی کڑھائی کر کے گھر کی آمدنی میں اضافہ کرتی تھیں۔ سلائی کڑھائی میں بہت ماہر تھیں مردانہ زنانہ ہر قسم کے کپڑوں کی کٹنگ سلائی بہت اچھی جانتی تھیں۔ پانچ بیٹیوں اور ایک بیٹے کی تعلیم وتربیت سے بھی غافل نہ رہیں ہمیشہ سچ بولنے والی بہت صابر اور صاف گو ہونے کی وجہ سے خاندان بھر میں عزت کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھیں۔ ہمیشہ حلال روزی کیلئے کوشاں رہیں اور حرام کے ایک لقمے سے بھی خود اور ہم سب بہن بھائی کو بچایا ہم سب کو ہمیشہ سچ بولنے کی تلقین کی جب تحریک سے وابستہ ہوئیں تو مکمل طور پر خود کو تحریکی کاموں میں لگا دیا۔ ہر مہم میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا کرتی تھیں برائیوں کے خلاف جو بھی مہم چلتی تھی اس میں وہ سب سے آگے آگے ہوتی تھیں مطالعہ کا بے انتہا شوق تھا۔ اخبار اور اسلامی لٹریچر کا مطالعہ پابندی سے کرتی تھی۔ پاکستان بننے کے بعد ہمیشہ ہر الیکشن میں بھرپور حصہ لیتی رہیں اور پولنگ ایجنٹ بنیں۔ دین اور سیاست کے معاملے میں اگر کسی سے بحث چھڑ جاتی تو ضرور سامنے والے کو قائل کر دیتی تھیں اور یہ شعر ہمیشہ پڑھتی تھیں۔

؎ نہ جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

ایک مرتبہ عریانی کے خلاف مہم تھی۔ دو دو اور تین تین خواتین کا گروپ نکلا اس میں میری والدہ بھی شامل تھیں ایک فوٹو گرافر کی دکان پر جا کر پہلے تو اس کو سمجھایا کہ عریاں تصاویر مت لگایا کرو اور ساتھ ہی تمام تصاویر اس کے سامنے پھاڑ کر پھینک دیں وہ بے چارہ شرمندہ ہو گیا اور آئندہ کے لئے معافی مانگ لی۔ اسی طرح ایک مرتبہ عید سے کچھ دن

پہلے عید کارڈوں کی دکانوں پر جا کر تمام ایسے عید کارڈ خرید لیے جن پہ فلم اسٹارز کی تصویریں بنی ہوئی تھیں اور دکاندار کے سامنے ہی کھڑے ہو کر تمام خریدے ہوئے عید کارڈ پھاڑ دیئے ۔ دکاندار بے چارہ بہت شرمندہ ہوا اور پھر کبھی اس نے بے ہودہ قسم کے عید کارڈ نہیں رکھے ۔عمرہ کرنے کیلئے جب جدہ میرے پاس آئیں تو اپنے ساتھ ڈاکٹر منصور صاحب کا ایڈریس لے کر آئیں تا کہ مجھے ایسے لوگوں سے ملا دیں جہاں درس قرآن اور نیک صحبت میسر ہو ۔عمرہ کرنے کے بعد ایک روز ڈاکٹر منصور صاحب کا گھر تلاش کرنے کا پروگرام بنا کیونکہ جدہ میں اُس وقت گھروں کے نمبر نہیں ہوتے تھے ۔صرف نام یا محلّہ کا نام ہوتا تھا اور پھر خود ہی تلاش کرنا ہوتا تھا ۔ ہم لوگ تقریباً عصر کے بعد جامعہ کے علاقے میں نکلے تھے کہ مغرب کا وقت ہو گیا ۔ میرے شوہر نے کہا کہ میں جا کر مسجد میں نماز بھی ادا کر لیتا ہوں اور وہاں شاید کسی سے ڈاکٹر منصور صاحب کا گھر کا پتہ مل جائے ۔اللہ تعالیٰ تو خود کہتا ہے کہ تم اگر میری طرف ایک ہاتھ بڑھو تو میں تمہاری طرف دوڑ کر آتا ہوں ۔ یہ ہی کچھ ہمارے ساتھ بھی ہوا ۔تمام لوگ نماز مغرب پڑھ کر جا چکے تھے ۔لیکن صرف ایک صاحب نوافل ادا کر رہے تھے ۔ میرے شوہر نے ان سے کہا کہ یہاں کوئی ڈاکٹر منصور صاحب رہتے ہیں شاید آپ ان کو جانتے ہوں ان سے ملنا ہے ۔ وہ صاحب بولے فرمایئے میں ہی ڈاکٹر منصور ہوں ہم لوگوں کو یہ سن کر بے انتہا خوشی ہوئی کیونکہ جدہ میں کسی کا گھر اس طرح تلاش کرنا اب سے 10 سال پہلے ناممکن سی بات تھی ۔اب اپنی امی کیلئے دل سے لاکھوں دعائیں نکلتی ہیں کہ وہ مجھے ایک نیکی کی راہ پر ڈال گئیں ۔اللہ سے دعا ہے کہ ہماری اولادیں بھی اسی نیک راہ کی طرف گامزن ہو جائیں ( آمین )

ہماری امی کی ہر وقت یہ دعا ہوتی تھی کہ اے اللہ میرا آسان حساب لینا اور کلمہ والی زندگی اور کلمہ والی موت ہو ۔ حیرت اور تعجب کی بات ہے کہ انتقال کے وقت انہوں نے اپنی آنکھیں کھولیں اور ہم سب جو کلمہ طیبہ ان کے نزدیک کھڑے ہو کر پڑھ رہے تھے وہ انہوں نے بھی اپنی زبان سے ادا کیا اور فوراً آنکھیں بند کر کے اپنی آخری منزل کی طرف روانہ ہو گئیں جمعتہ المبارک کا دن اور چاشت کا وقت تھا ۔ اللہ کا کلمہ بلند کرنے کی کوشش میں مصروف رہنے والی پیاری ماں کلمہ پڑھتے ہوئے خالق حقیقی سے جا ملیں ۔ اللہ تعالیٰ ان کو جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمایئے ۔آمین ثم آمین

☆☆☆

# پھل، خدا کی عظیم نعمت

آج سے تقریباً چار ہزار سال پہلے جب حضرت ابراہیمؑ نے شہر مکہ کی آبادی کا آغاز کرنے کیلئے اپنی زوجہ محترمہ حضرت ہاجرہ اور فرزند حضرت اسماعیلؑ کو بیت اللہ کے قریب آباد کیا تو اللہ تعالیٰ سے یوں دعا مانگی:

''پروردگار!'' میں نے ایک بے آب وگیاہ وادی میں اپنی اولاد کے ایک حصے کو تیرے محترم گھر کے پاس لا بسایا ہے۔ پروردگار، یہ میں نے اس لئے کیا ہے کہ یہ لوگ یہاں نماز قائم کریں، لہٰذا تو لوگوں کے دلوں کو ان کا مشتاق بنا اور انہیں کھانے کو پھل دے، شاید کہ یہ شکر گذار بنیں۔'' (سورہ ابراہیم۔آیت ۳۷)

اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر پیغمبر نے اپنی اولاد کیلئے پھلوں کے رزق کی جو دعا کی تھی وہ کسی سائنسی علم کی بنیاد پر نہیں بلکہ اس پیغمبرانہ بصیرت کی وجہ سے تھی جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا کی تھی .....لیکن اب ہم یہ جان سکتے ہیں کہ سائنس پھلوں کے بارے میں کیا کہتی ہے۔

پھل اللہ تعالیٰ کی ان عظیم نعمتوں میں سے ہیں جو اس نے انسان کو عطا کی ہیں، قرآن میں کئی جگہ خاص طور سے ان کا ذکر کیا گیا ہے جنت کی نعمتوں میں بھی بار بار اس کا تذکرہ ملتا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

''پھر اس پانی سے ہم نے تمہارے لئے کھجور اور انگور کے باغ پیدا کئے، تمہارے لئے ان باغوں میں بہت سے لذیذ پھل ہیں۔ اور ان سے تم روزی حاصل کرتے ہو۔( المومنون۔۱۹)

اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق کرتے ہوئے اسے جمالیاتی ذوق عطا کیا اور پھر اس ذوق کی تسکین کیلئے رنگ برنگ کی خوبصورت کائنات پیدا کی اور پھلوں کو بھی مختلف رنگوں سے مزین کیا۔قرآن میں یہ بات اس طرح فرمائی گئی۔

''اور یہ جو مختلف رنگ برنگ کی چیزیں اس نے تمہارے لئے زمین میں پیدا کر رکھی ہیں اس میں بھی ضرور نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو سبق حاصل کرنے والے ہیں۔'' (النمل۔۱۳)

''کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ آسمان سے پانی برساتا ہے اور پھر اس کے ذریعے سے ہم طرح طرح کے پھل نکال لاتے ہیں جن کے رنگ مختلف ہوتے ہیں۔'' (فاطر۔۲۷)

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے یہ بھی ہے کہ ہر پھل کا اپنا ذائقہ اور خوشبو ہوتی ہے اس کو قرآن میں یوں بیان کیا گیا ہے۔

''وہ اللہ ہی ہے جس نے طرح طرح کے باغ، تاکستان، نخلستان پیدا کئے۔کھیتیاں اُگائیں جن سے قسم قسم

کے ماکولات حاصل ہوتے ہیں، زیتون اور انار کے درخت پیدا کئے جن کے پھل صورت میں مشابہ اور مزے میں مختلف ہوتے ہیں۔'' (الانعام۔۱۴)

''اور دیکھو زمین میں الگ الگ خطے پائے جاتے ہیں جو ایک دوسرے سے متصل واقع ہیں۔ انگور کے باغ ہیں، کھیتیاں ہیں، کھجور کے درخت ہیں جن میں سے کچھ اکہرے ہیں، کچھ دہرے۔ سب کو ایک ہی پانی سیراب کرتا ہے، مگر مزے میں ہم کسی کو بہتر بنا دیتے ہیں، کسی کو کم تر۔ ان سب چیزوں میں بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کیلئے جو عقل سے کام لیتے ہیں'' (الرعد۔۴)

پھل متوزن انسانی غذا کا ایک اہم جزو ہیں۔ پھلوں کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ کھانے کے بعد ان کے ہضم کے عمل میں زیادہ دیر نہیں لگتی اور وہ بہت تھوڑے وقت میں معدہ سے آگے انتڑیوں میں پہنچ جاتے ہیں اور ان کے مفید اجزاء خون میں جذب ہو جاتے ہیں خصوصاً اگر پھل خالی معدہ کھائے جائیں تو ان کی افادیت اور بڑھ جاتی ہے۔

پھلوں میں کاربوہائیڈریٹ، پروٹین، فائبر، وٹامن، نمکیات وافر مقدار میں موجود ہوتے ہیں، اس کے علاوہ ایسے مرکبات ہوتے ہیں جو Antioxidants کہلاتے ہیں۔ یہ ہمارے جسم کو بہت سے زہریلے مادوں سے پاک کرتے ہیں اور کینسر جیسی بیماریوں سے محفوظ رکھتے ہیں۔ پھلوں کا باقاعدہ استعمال بڑھاپے کی علامات کو کم کرتا ہے۔ بال سفید ہونے سے روکتا ہے، آنکھوں کے نیچے سیاہ حلقے بننے سے بھی روکتا ہے۔

مختلف پھلوں کے جُوس لذیذ مشروبات مہیا کرتے ہیں اور بہترین غذائیت بھی۔ لیکن کوشش کریں کہ ہمیشہ تازہ نکلا ہوا جوس استعمال کریں۔

دنیا بھر میں ڈبے کا جوس استعمال کرنے کا بھی رواج ہے لیکن جوس کو ڈبوں میں محفوظ کرنے سے اس کی بہت سے قیمتی غذائی اجزاء ضائع ہو جاتے ہیں۔ اصل میں تو پھلوں کی پوری غذائیت سے بھرپور استفادہ حاصل کرنے کیلئے پورا پھل ہی کھانا چاہیے۔ جوس نکالنے کے بعد جو پھوک ہم پھینک دیتے ہیں اس میں موجود بہت سے اہم غذائی اجزاء کیلوریز اور خصوصاً فائبر سے ہم محروم ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح پھلوں کو ابالنے یا پکانے سے بھی ان کی غذائیت میں کمی آجاتی ہے اور بہت سے وٹامنز ضائع ہو جاتے ہیں۔ پھلوں کے جوس کو گرم کرنے سے بھی یہی نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔

جوس کی طرح پھلوں کو بھی ڈبوں میں محفوظ کیا جاتا ہے اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ ہمیں ہر موسم میں اور ہر جگہ وہ پھل ملتے رہتے ہیں۔ قدیم زمانے سے پھلوں کو محفوظ کرنے کا یہ طریقہ رائج رہا ہے کہ ان کا مربہ بنا لیا جائے۔ سیب کا مربہ معروف ہے۔ اس طرح محفوظ کئے ہوئے پھلوں میں سو فیصد افادیت تو نہیں رہتی لیکن ان کا کافی فائدہ پھر بھی حاصل کیا جاسکتا ہے۔

ذیل میں چند معروف پھلوں کی چیدہ چیدہ خصوصیات دی گئی ہیں۔ جن سے ان پھلوں کی افادیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

اکثر پھلوں کے حراروں کی مقدار ( Caloric

value) بھی دی گئی ہے۔کیلوری یا حرارہ کسی بھی غذا کی وہ قوت وانرجی ناپنے کا پیمانہ ہے جو وہ جسم کو منتقل کرتی ہے۔( جن لوگوں کا موٹاپے کی طرف رجحان ہو انہیں کم حراروں والی غذا استعمال کرنی چاہیے یا زیادہ حراروں والی غذا کی کم مقدار لینی چاہیے۔ ہر قسم کی چکنائی (روغنیات) اور شکر زیادہ حراروں والی غذائیں ہیں۔

مالٹا

اس میں کینو، مسمی، فروٹر، نارنگی سب شامل ہیں۔اپنے فائدوں کے لحاظ سے یہ ایک میٹھی دوائی کی طرح ہے۔ یہ وٹا من سی کا خزانہ ہے۔ دو مالٹے روزانہ کھانے سے زکام کے حملہ کے امکانات کم ہو جاتے ہیں۔اس کا استعمال خون میں کولیسٹرول کو کم کرتا ہے۔گردے اور مثانے میں پتھری بننے کو روکتا ہے اور پتھریوں کو حل کرنے میں مدد دیتا ہے۔اپنے اعلیٰ معیار کے فائبر (ریشہ) کی وجہ سے بڑی آنت کے کینسر سے حفاظت کرتا ہے ۔ ایک بڑے سائز کے مالٹے میں 60 کیلوریز ہوتی ہیں۔

کیلا

اس میں وافر مقدار میں نشاستہ (starch) پایا جاتا ہے۔ وٹامن بی۔٦ اور وٹامن سی کا بہترین ذریعہ ہے۔اس میں مینگنیز (manganese) اور پوٹاشیم کافی مقدار میں موجود ہوتا ہے۔کیلا انتڑیوں، چھاتی اور گردے کے کینسر سے حفاظت کرتا ہے۔اس کو شہد میں ملا کر گردوں کی پتھری کا علاج کیا جاتا ہے ۔ ہندوستان میں قدیم زمانے میں اس سے یرقان (Jaundice) کا علاج کیا جاتا تھا۔اس کے سو گرام وزن میں 95 کیلوریز ہوتی ہیں۔

آم

غذائیت سے بھرپور پھل ہے۔جسمانی نشو ونما میں مدد دینے والے کئی اجزاء اس میں شامل ہیں۔اس کے گُودے میں عمدہ فائبر کی کافی مقدار ہوتی ہے۔اس کے علاوہ وٹامن سی اور وٹامن اے بھی کافی مقدار میں ہوتا ہے۔اس کے سو گرام گودے میں 60 کیلوریز ہوتی ہیں مٹھاس میں سب پھلوں سے بڑھ کر ہے۔کیوں کہ اس میں شکر کی مقدار بہت زیادہ ہے۔

انگور

دمہ کے مریضوں کیلئے خاص طور پر مفید ہے انگوروں کا رس دردشقیقہ (migraine) کے علاج کیلئے استعمال کیا جاتا ہے ۔خون میں نائٹرک آکسائڈ (nitric oxide) کی مقدار کو کم کرتا ہے اور اس طرح خون کے انجماد کو روکتا ہے جس کے نتیجے میں دل کا دورہ پڑنے کے امکانات کم ہو جاتے ہیں اس کے سو گرام وزن میں 60 کیلوریز ہوتی ہیں۔

کھجور

سب سے میٹھا پھل ہے۔جسم کو فوری قوت بہم پہنچاتا ہے۔ یہ ایک پھل مکمل متوازن غذا مہیا کرتا ہے۔اس میں شکر، پروٹین، روغنیات، وٹامن، نمکیات اور فائبر مرتکز شکل میں موجود ہوتی ہیں۔یعنی یہ ایک مکمل غذا ہے۔اس میں Tannin کی کافی مقدار ہوتی ہے۔ جو انتڑیوں کی صفائی کرتی ہے۔ گلے کی سوزش، زکام، کھانسی اور بخار میں مفید ہے۔قدیم زمانے میں لوگ کھجور کے درخت کے تنے پر زخم

لگانے سے جو گوند نکلتا تھا اسے اسہال (diarrhoea) کیلئے استعمال کرتے تھے۔سو گرام کھجور میں 107 کیلوریز ہوتی ہیں۔

سیب

اس میں وٹامن سی کی مقدار اگرچہ ذرا کم ہے لیکن اس میں Antioxidants اور Flavonoids کافی مقدار میں موجود ہوتے ہیں جو وٹامن سی کی قوت بڑھاتے ہیں جس سے انتڑیوں کے کینسر، دل کا دورہ اور فالج کا خطرہ کم ہو جاتا ہے۔نشاستہ، فائبر اور شکر اہم جزو ہیں۔ایک بڑے سیب میں 47 کیلوریز ہوتی ہیں۔انگریزی کی ایک کہاوت ہے کہ ''ایک سیب روزانہ کھاؤ اور ڈاکٹر سے دور رہو۔''

انار

انار میں Antioxidants کی بہتات ہوتی ہے جو انسانی جسم کو کینسر جیسی بیماریوں سے بچاتے ہیں۔اس میں بہت سے وٹامن اور Enzymes ہوتے ہیں جو نقصان دہ کولیسٹرول کو کم کرتے ہیں، انار میں ایسے کیمیائی اجزا بھی ہوتے ہیں جو خون کے انجماد کو روکتے ہیں اور اس طرح دل کے دورہ اور فالج سے بچاتے ہیں، خون میں آکسیجن کی مقدار کو بڑھاتے ہیں۔

خربوزہ

یہ پوٹاشیم اور وٹامن سی حاصل کرنے کا اچھا ذریعہ ہے۔روغنیات اور کولیسٹرول سے پاک ہے۔اس میں پانی کی مقدار زیادہ اور کیلوریز کم ہوتی ہیں۔سو گرام خربوزہ کے گودے میں صرف 13 کیلوریز ہوتی ہیں۔

تربوز

پیاس بجھانے کے لحاظ سے بہترین پھل ہے۔اس میں 92 فیصد پانی ہوتا ہے۔اس میں ایک بہت فائدہ مند کیمیائی جزو glutathione ہوتا ہے جو ہمارے جسم کے مدافعاتی نظام کو مضبوط کرتا ہے۔اسی طرح ایک کیمیائی مرکب Lycopene ہوتا ہے جو کینسر سے حفاظت کرتا ہے اس کے علاوہ اہم غذائی اجزاء وٹامن سی اور پوٹاشیم بھی اس میں پائے جاتے ہیں۔

امرود

اس پھل میں فائبر اور وٹامن سی کی وافر مقدار ہوتی ہے نظام ہضم کو صحت مند رکھنیمیں۔یہ پھل بہت مفید ہے۔اسہال، قبض، زکام، کھانسی اور کینسر کے امراض میں بھی مفید ہے۔بلڈ پریشر صحیح رکھنے میں مدد دیتا ہے۔انسانی جلد کی صحت مندی کیلئے بھی مفید ہے۔ایک بڑے امرود میں 61 کیلوریز ہوتی ہیں

آڑو

ایک متوسط حجم کے آڑو میں 30 کیلوریز ہوتی ہیں۔اس کے علاوہ 7 گرام کاربوہائیڈریٹ، 140 ملی گرام پوٹاشیم اور 8 فیصد وٹامن سی ہوتا ہے۔

خوبانی

اس میں وٹامن بی 17 پایا جاتا ہے جو کینسر کے خلاف بے حد قوت مدافعت مہیا کرتا ہے۔نظام ہضم کیلئے بہت مفید ہے۔قبض کو دور کرتا ہے۔جلدی بیماریوں، بخار اور خون کی کمی میں مفید ہے۔100 گرام خوبانی میں 29 کیلوریز

ہوتی ہیں۔

آلو بخارا

کم کیلوریز والا پھل ہے ۔ وٹامن A کا ایک اچھا ذریعہ ہے ۔اس میں وٹامن سی وافر مقدار میں ہوتا ہے اس کے علاوہ پوٹاشیم ،فلورائیڈ ،اور فولاد کافی مقدار میں موجود ہوتے ہیں ۔صحت بڑھانے والے Flavonoids بھی اس سے ملتے ہیں۔

## پپیتا

دل کے دورہ کو روکتا ہے ۔ ذیابطیس کے خلاف حفاظت کرتا ہے ۔خون کی شریانوں کو سخت اور تنگ ہونے سے روکتا ہے ۔اور اس طرح فالج کے مرض سے بچاؤ مہیا کرتا ہے ۔ اس میں carotene کی وافر مقدار ہوتی ہے جس سے وٹامن اے بنتا ہے جو بینائی کی حفاظت کرتا ہے۔ ایک متوسط حجم کے پپیتے میں 74 کیلوریز ہوتی ہیں۔

لیچی

وٹامن بی حاصل کرنے کا ایک اچھا ذریعہ ہے اس میں تانبا اور پوٹاشیم وافر مقدار میں موجود ہوتیہیں جراثیم کے حملے اور سوزش پیدا کرنے والے کیمیاوی اجزاء سے محفوظ رکھتا ہے۔

مندرجہ بالا پھلوں کے حراروں کی مقدار ( Caloric value ) پر نظر ڈالنے سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ان میں کھجور ، انگور آم اور کیلا سب سے زیادہ حرارے مہیا کرتے ہیں اور ان میں شکر کی بہتات ہے ۔اس لئے ذیابطیس کے مریضوں کیلئے ان کا استعمال مضر ہے ۔ اسی طرح وہ لوگ جو موٹاپے کی طرف مائل ہوں ان کو ان پھلوں کی بہت کم مقدار استعمال کرنی چاہیے۔

☆☆☆

# بتول میگزین

## چھوٹی چھوٹی باتیں

(مسز محمود)

ابھی ابھی سامنے والے گھر میں ایک چھنا کا سا ہوا ہے غالباً کسی چینی کے برتن کے ٹوٹنے کے ساتھ ہی چٹاخ سے ایک زور دار تھپڑ اور گھن گرج کے ساتھ صلواتوں کا لامتناہی سلسلہ سنائی دیا۔

کم سن ملازمہ اپنا گال سہلاتے ہوئے روئے جا رہی تھی۔ تبھی ایک بڑی بی گرتی پڑتی اپنے کمرے سے نکلیں۔ بہو کو نرمی سے سمجھاتے ہوئے بولیں۔ ''بیٹی نقصان تو جو ہونا تھا ہو گیا۔ اب غصہ کرنے سے فائدہ؟ یاد رکھو اللہ کے نیک بندے غصے میں آپے سے باہر نہیں ہوتے اللہ اور اس کے رسولؐ یقیناً درگذر کرنے والوں کو پسند فرماتے ہیں۔ ایک فرمانِ رسولؐ کا مفہوم کچھ یوں ہے کہ طاقتور وہ نہیں جو کسی پہلوان کو زیر کر دے بلکہ طاقتور وہ شخص ہے جو غصے میں اپنے آپ پر قابو رکھے۔ یاد رکھو غصہ حماقت سے شروع ہوتا ہے اور ندامت پر ختم ہوتا ہے۔''

☆.....☆.....☆

''امی۔امی۔'' ''ہاں بیٹے کیا بات ہے ذرا جلدی بولو افطار کا وقت ہوا چاہتا ہے اور مجھے مسجد میں افطاری بھجوانی ہے۔'' ''امی دراصل مجھے آپ کو یہ بتانا تھا کہ اب میں چیخ چیخ کر نہیں بولا کروں گا۔ آج ہی مجھے قاری صاحب نے بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو گدھے کی آواز سخت ناپسند ہے کیونکہ وہ بہت چیخ کر بولتا ہے۔'' بیٹے یہ تو قاری صاحب نے بہت اچھی بات بتائی ہے۔ واقعی ہم سب کو اس بات کا خیال رکھنا چاہیے۔'' امی نے دھیمے لہجے میں کہا اور افطاری بھجوانے کی تیاری کرنے لگیں۔

☆.....☆.....☆

کچھ دن ہوئے ہمارے ایک ملنے والوں کے ہاں قرآن خوانی تھی اور بعد میں ایک پرتکلف چائے کا اہتمام۔ میں نے چائے ختم کر کے کپ میز پر رکھتے ہوئے خاتون خانہ سے اجازت چاہی تو بولیں۔ ''ابھی سے کہاں چل دیں ابھی تو گوشت پارٹی باقی ہے۔'' میں نے میز پر پڑی بے شمار ڈیشز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا کیا ابھی کوئی کسر باقی رہ گئی ہے؟ ہنستے ہوئے بولیں ''آپ سمجھیں نہیں میرا مطلب۔ دراصل انتظامات میں اتنا وقت ہی نہیں ملا کہ کوئی گپ شپ یا دوسرے لفظوں میں ''غیبت کانفرنس'' ہو سکے۔

''استغفراللہ معاف کرنا بہن۔ غیبت کو تو سورہ حجرات میں اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے جیسا قرار دیا گیا ہے جو ظاہر ہے سخت ناپسندیدہ بات ہے ذرا خود ہی سوچیں کوئی آپ کو پیٹھ پیچھے برا بھلا کہے الٹے سیدھے نام دھرے تو

ظاہر ہے اچھا نہیں لگے گا۔''

''ہاں ٹھیک کہا آپ نے لیکن یہی تو غیبت ہے کہ کسی کی عدم موجودگی میں کوئی ایسی بات کی جائے جو درحقیقت اُس میں موجود ہو لیکن اگر اُس کے منہ پر کی جائے تو اُسے ناگوار گذرے اگر وہ بات اُس میں سرے سے موجود ہی نہ ہو تو بہتان ہے اور گناہ عظیم ہے اس سے لازماً بچنا چاہیے۔''

☆.....☆.....☆

''بتاؤ یہ جو تمہاری کزن لنگڑاتی ہوئی چلی آرہی ہیں انہیں کیا ہوا اچھی بھلی تو تھیں چند دن پہلے تک۔'' ''ہونا کیا تھا پڑوس میں میاں بیوی میں کچھ تو تکار ہو رہی تھی۔ ان محترمہ کو تجسس ہوا کہ دیکھیں قصہ کیا ہے جھٹ فولڈنگ سٹول لا کر چڑھ گئیں سن گن لینے کو اچانک توازن بگڑا اور گر کر چوٹ لگوا بیٹھیں'' بلا اجازت کسی کے گھر میں تانک جھانک تو بڑی ہی خلاف تہذیب حرکت ہے۔

☆.....☆.....☆

اب پڑوس کے ایک گھر چلتے ہیں۔ بڑی گہما گہمی ہے۔ منگنی کے سلسلے میں لڑکی والوں کی طرف جانے کی تیاری ہے مہمان گاڑیوں میں بیٹھ رہے ہیں۔

''ارے عظمیٰ! تمہاری جٹھانی کہیں نظر نہیں آرہیں وہ کہاں رہ گئیں ہے'' ''وہ تو اپنے گھر ناراض بیٹھی ہیں'' ''بھئی وہ کیوں؟''

''کوئی دو ماہ پہلے وہ اپنے پوتے کے ساتھ ہمارے ہاں آئیں بچے نے پہلے تو دو تین قیمتی ڈیکوریشن پیس توڑے۔ مجبوراً اُسے کسی بہانے باہر لان میں بھیجا تو اُس نے احتجاجاً کتنے ہی پھول نوچ ڈالے کئی پودے جڑوں سے اُکھاڑ پھینکے۔ جگہ جگہ گڑھے کھودے غرضیکہ سارے لان کا ستیاناس کر کے رکھ دیا۔ دادی سے شکایت کی تو پوتے کو سمجھانے کی بجائے الٹا ہم پر ہی بگڑنے لگیں فوراً ہی بچے کا ہاتھ پکڑا اور گھسیٹتی ہوئی یہ کہتی ہوئی چل دیں کہ خبردار جو پھر کبھی ادھر آنے کا نام لیا چند دن بعد میں نے فون پر خیریت دریافت کرنا چاہی تو فوراً ڈانٹ پلا دی کہ فون کرنے کی زحمت کیوں کی اور کھٹ سے فون بند کر دیا اور تو اور تب سے بھائی صاحب (جیٹھ) بھی نہیں آتے۔

''ارے بھئی یہ تو بڑی غلط بات کی انہوں نے۔ لیکن خیر کچھ بزرگوں کو ساتھ لو جو احسن طریقے سے انکو ان کی زیادتی کا احساس دلائیں ان کو بتایا جائے کہ ایک فرمانِ رسولؐ کا مفہوم یہ ہے کہ کسی مسلمان کے لئے یہ روا نہیں کہ اپنے کسی مسلمان بھائی سے تین دن سے زیادہ ناراض رہے۔ خوشی کا موقع ہے شاید بات بن جائے'' اور واقعی بات بن گئی کہ وہ تو خود تقریب میں شامل ہونے کو بے تاب تھے بس ذرا انا آڑے آرہی تھی اور اب ذرا دیکھئے تو تائی امی اور تایا ابا کا جوش و خروش۔

عقل والوں کے لئے نشانیاں

(اُم صائم)

رخسانہ سے میری ملاقات ہسپتال میں ہوئی اُس کے خاوند کو ہیپاٹائٹس سی تھا لیکن وہ بڑی باہمت خاتون تھی اسے یہ بھی پتہ تھا کہ اس کا خاوند زندگی کی آخری سٹیج پر ہے لیکن پھر بھی ایک آس تو ہوتی ہے۔

اُس کے ساتھ اس کے دیور بھی تھے لیکن پھر بھی وہ خود ہی دوائیاں لا رہی تھی اور خاوند کا خیال بھی رکھ رہی تھی کیونکہ وہ کسی کو تکلیف نہیں دینا چاہتی تھی۔

دو دن بعد اس کا خاوند فوت ہو گیا اور یہاں بھی اس نے بڑے صبر کا مظاہرہ کیا۔ کیونکہ وہ اکیلی عورت تھی اس لئے میں اُس کے پاس ٹھہر گئی کہ جب تک یہ لوگ میت لے کر نہیں جاتے اسے تسلی کی ضرورت تھی۔

اگر انسان رو لے تو اس کے دل کا غبار نکل جاتا ہے لیکن وہ روئی بھی نہیں اسی لئے شدت غم نے اُسے بیہوش کر دیا مجھ سے جو ہوا اُس کے لئے کیا۔

رات اڑھائی بجے تک ہم اس کے پاس رہے جب تک وہ میت نہیں لے گئے۔ جاتے ہوئے میں نے اُس کا فون نمبر لے لیا کہ چلو اور کچھ نہیں تو انسان غم تو بانٹ سکتا ہے اس کے بعد میں اکثر اسے فون کر کے تسلی دیتی رہی جس سے اسے بہت سہارا ہوا۔ وہ جب بھی بات کرتی یہی کہتی میرے لئے دعا کرو اللہ ہمارے رزق کا بندوبست کر دے۔

اس کے چار بچے تھے جب اس کا خاوند فوت ہوا بڑا بیٹا آٹھویں جماعت میں تھا وہ محنت مزدوری کر کے اور آدھا گھر کرایہ پر چڑھا کر جیسے تیسے گزارہ کر رہی تھی لیکن اس نے کسی کے آگے ہاتھ پھیلانا گوارہ نہ کیا بلکہ ایک دو دفعہ میں نے اُس سے کہا کہ میں کچھ تمہارے لئے کروں تو اُس نے انکار کر دیا۔

ایسے ہی تین سال کا عرصہ گزر گیا ایک دن اُس نے مجھے فون کیا کہ حالات بہت خراب ہیں بچے کا میٹرک کا رزلٹ آ گیا ہے اب آگے اُسے پڑھانا ہے گھر کا خرچ بھی پورا نہیں ہوتا بہن بھائیوں نے بھی مدد سے انکار کر دیا ہے۔

اسی پریشانی میں اس نے مجھے یہ بات بھی بتائی کہ چند دن پہلے میرے صحن میں سوکھی لکڑی پڑی تھی میں نے اُسے توڑ کر آگ میں ڈالنا چاہا تو کیا دیکھتی ہوں اس میں سبز رنگ کا کیڑا ہے اور رزق کھا رہا ہے۔

ان دنوں میرے ذہن میں بس یہی آیت رہتی تھی کہ میری کائنات پر غور و فکر کرو اور یہ بات تو واضح دلیل تھی۔ میں نے اُسے کہا دیکھو اللہ پاک کہتے ہیں میری نشانیوں پر غور و فکر کرو۔ تم نے وہ لکڑی توڑ کر پھینک دی لیکن جو اللہ تمہیں بتانا چاہتا تھا وہ تم نہیں سمجھ سکی۔

اللہ تعالیٰ دراصل تمہیں تسلی دے رہے تھے کہ اگر سوکھی لکڑی میں کیڑے کو میں رزق دے سکتا ہوں تو کیا تمہیں اس دنیا میں رزق نہ دوں گا۔

میری یہ بات سن کر وہ بہت روئی کہ واقعی یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں خیر کافی دیر میں اس کو تسلی دیتی رہی اور فون بند کر دیا۔ میں اپنی مصروفیات کی وجہ سے کچھ عرصہ اس سے رابطہ نہ کر سکی لیکن بہر حال دعا میں ہمیشہ اسے یاد رکھا۔

ابھی چند دن پہلے میں نے اُسے فون کیا اس کی خیریت دریافت کی تو بڑی خوشی ہوئی کہ واقعی اللہ ہمارے لئے کیسے کیسے راستے نکال دیتا ہے اس کا بیٹا ماشاءاللہ ٹیکنیکل ڈپلومہ کر رہا ہے اس کا بھائی اس بچے کی فیس کا سارا خرچہ اٹھا رہا ہے اس کے خاوند کی جو زمینیں اس کے سسرال والوں کے پاس تھیں وہ ہیں تو اُنہی کے پاس لیکن بچوں کے نام کر دی ہیں

اور جو حصہ وہاں سے کمایا جاتا ہے وہ بھی ان کو مل جاتا ہے۔

اُس نے کہا تم صحیح کہتی تھیں کہ ہم لوگ اس کی نشانیوں پر غور و فکر نہیں کرتے۔ جو سوکھی لکڑی میں کیڑے کو پال سکتا ہے وہ ہمیں کیوں نہیں دے گا بس تھوڑا صبر سے کام لینا چاہیے۔

معافی

(صوفیہ شفیع جڑانوالہ)

وقت اور حالات بدل گئے اسّی سال گزر گئے! اس عمر میں سوائے رب العزت کے کوئی بھی یاد نہیں رہتا، کیونکہ اُس ذات کے علاوہ کوئی پاس بھی تو نہیں رہتا! اولاد بڑی ہو جاتی ہے، پوتے پوتیاں نواسے نواسیاں سب ہیں مگر میں تنہا ہوں۔ ایک کونے میں پڑے پرانے برتن کی طرح، جو ناکارہ ہوتا ہے۔ مجھے بھی سب اسی نظر سے ہی دیکھتے ہیں۔ ایک فالتو شے.....

میں نے اپنی زندگی میں بہت عروج اور زوال دیکھے۔ پاکستان بنتے دیکھا، اس کی خاطر لوگوں کو مرتے کٹتے دیکھا۔ جوانوں کو اپنی جوانیاں لٹاتے سہاگنوں کو بیوہ ہوتے کنواریوں کو اپنی عصمتیں لٹاتے میری یہ بوڑھی آنکھیں دیکھ چکی ہیں۔ میں بھی انہی میں شامل تھی۔

میں بھی اپنے باپ اپنے بھائی، اپنی بہنوں کو لٹتے دیکھ چکی ہوں۔ جوانی میں ہی بیوگی دیکھ چکی ہوں۔ پھر پاکستان بن گیا، لوگوں نے ایک دوسرے کو سہارے دیئے، گھر دیئے اور اسی دوران میری دوسری شادی ہوئی اور آج میرے چار بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں۔ میں نے ساری زندگی اپنے میاں کے سر پر عیش کی، اپنی بہوؤں پر حکمرانی کی، اپنی بہوؤں کو کسی کھاتے میں نہ رکھا اور نہ ہی کبھی اپنے رب کو (جو آج میرا پرسانِ حال ہے) یاد کیا میں نے تمام زندگی دنیاوی عیش و عشرت میں گزار دی میں بھول گئی تھی کہ یہ دن سدا نہیں رہتے ایک روز واپسی کا بھی ہے۔ مگر ہم بھول جاتے ہیں۔ آنے والے وقت کی تیاری نہیں کرتے۔ کبھی نماز کا نہ سوچا۔ آج جب میں عرصہ 20 سال سے بیمار ہوں تو سوچتی ہوں کہ کاش کبھی تو خدا کو یاد کیا ہوتا تو آج میری جان اتنی مشکل سے نہ نکلتی کہ بیٹے بیٹیاں بہوئیں اور پوتے پوتیاں میرے مرنے کی دعا کرتے میں آج بھی زندہ ہوں۔ سسک سسک کر جی رہی ہوں۔ مگر آج میرا خیال رکھنے والا کوئی نہیں آج میں توبہ کیلئے ہاتھ اٹھاتی ہوں مگر ہاتھ اٹھتے نہیں۔ خدا مجھے معاف کر دے اور میرے لئے آسانی پیدا کرے۔

ہم اپنے آپ کو مہذب بنا سکتے ہیں!

(عظمیٰ آفرین، کراچی)

اچھی گفتگو ایک فن ہے، اس لئے اکثر کہا جاتا ہے کہ میٹھے بول میں جادو ہے، ہمدردی کے دو بول، کسی کو اچھا مشورہ دینا، پیار بھری نصیحت، دل جوئی، تعریف، حوصلہ افزائی یہ وہ گُر ہیں جو گفتگو کو اور گفتگو کرنے والے کو معتبر اور پر اثر بناتے ہیں۔ اس کے برعکس اگر آپ کسی کا مذاق اڑائیں گے، دل آزاری کریں گے، عیب جوئی کریں گے، تو پھر آپ باوجود دولت، حیثیت اور خوبصورتی کے، لوگوں کے دلوں میں وہ مقام اور عزت نہیں پا سکیں گے جس کے آپ خواہش مند ہوتے ہیں۔ دوسروں کی دل آزاری کے بہت

سے واقعات ہم اپنے اردگرد دیکھتے رہتے ہیں مثلاً آج کل لڑکیوں کو ان کی عمر اور شادی کے حوالے سے شرمندہ کیا جاتا ہے تو لڑکوں سے ان کی ملازمت، بے روزگاری یا کم آمدنی سے متعلق طنزیہ استفسار کیا جاتا ہے۔کوئی کسی آزمائش کا شکار ہے تو اس کو تنقید کا نشانہ بننا پڑتا ہے۔شکل وصورت کا مذاق اڑانا پھبتی کسنا تو عام سی باتیں ہیں۔اکثر خواتین وحضرات اپنے سے کم عمر افراد کو تضحیک کا نشانہ بناتے ہیں اسی طرح نئی نسل کے اکثر نوجوان بزرگوں سے بات کرتے ہوئے انکا اور اپنا مقام ومرتبہ بھول جاتے ہیں۔ان سب کی وجہ یہ ہے کہ ہم گفتگو کے فن سے نابلد ہوتے جارہے ہیں۔ہمیں معلوم ہی نہیں ہے کہ بڑوں سے بات کرنے کا کیا طریقہ ہے، چھوٹوں کا دل جیت لینے کا کیا گُر ہے اور اپنے ہم عمر افراد کے دلوں پر حکومت کرنے کا کیا راز ہے؟ ہماری گفتگو میں بناوٹ، تصنع اور ملمع سازی آتی جاتی رہتی ہے نہ بزرگوں میں وہ وقار رہا اور نہ چھوٹے بچوں میں عزت واحترام۔

اچھی گفتگو سیکھنا مشکل ضرور ہے لیکن ناممکن نہیں۔اگر آپ بھی دلوں پر حکومت کرنا چاہتیہیں تو سب سے پہلے اس بات کا خیال رکھیں کہ آپ کی باتوں سے کسی کی دل آزاری نہ ہو، کسی کے مذاق کا پہلو نہ نکلتا ہو، دوسروں کا بھرم رکھنا سیکھیئے، اوپر والا (اللہ تعالیٰ) آپ کا پردہ رکھے گا۔دوسروں کی کامیابیوں پر خوش ہوں اور غم میں غم خوار بن جایئے۔خوشی میں شرکت خوشی کے احساس کو دگنا کردیتی ہے۔کسی کو فائدہ نہیں پہنچا سکتے تو نقصان بھی نہ پہنچایئے۔ان اصولوں کو اپنا کر آپ خود دوسروں کے رویئے میں اپنے لئے تبدیلی اور عزت محسوس کریں گے۔انسان زبان سے عزت یا ذلت پاتا ہے اور یہی زبان انسان کو دوزخ یا جنت میں لے جانے والی ہے۔اس کی بدولت غیر اپنے اور وحشی بھی رام ہو جاتے ہیں۔

## دُعا کی قبولیت

(شفیقہ عبدالرشید)

بہت سے لوگ ناواقفیت سے قبولیتِ دعا کا مطلب صرف یہ سمجھتے ہیں کہ بندہ اللہ سے جو کچھ مانگے وہ اس کو مل جائے اور اگر وہ نہیں ملتا تو سمجھتے ہیں کہ دعا قبول نہیں ہوئی۔ یہ بہت بڑی غلط فہمی ہے۔ بندہ کا علم ناقص ہے بلکہ اپنی خلقت کے لحاظ سے وہ ظلوم وجہول ہے بہت سے بندے ہیں جن کے لئے دولت مندی نعمت ہے اور بہت سے ایسے ہیں جن کے لئے دولت فتنہ ہے بہت سے بندے ہیں جن کے لئے حکومت اور اقتدار قرب خداوندی کا وسیلہ ہے جیسے حمس کا گورنر اور بہت سے ایسے ہیں کہ جن کے لئے حکومت اقتدار خدا سے دوری اور اس کے غضب کا سبب بن جاتا ہے جیسے حجاج اور ابن زیاد۔ بندہ نہیں جانتا کہ کیا چیز میرے لئے بہتر ہے اور کیا فتنہ اور کیا زہر ہے۔اس لئے بسا اوقات وہ ایسی چیز اللہ تعالیٰ سے مانگتا ہے جو اس کیلئے بہترین نہیں ہوتی یا اس کا عطا کرنا حکمتِ الٰہی کے خلاف ہوتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ جو حکیم ودانا ہے یہ بات اس کے علم وحکم کے خلاف ہے کہ ہر بندہ جو مانگے وہ اس کو ضرور عطا کرے۔

دوسری طرف اس کی کریمی کا یہ تقاضا ہے کہ جب بندہ ایک محتاج اور مسکین کی طرح اس کے حضور میں ہاتھ پھیلائے

اور دعا کرے تو وہ اس کو خالی ہاتھ نہ لوٹائے اللہ تعالیٰ کا یہ دستور ہے کہ وہ دعا کرنے والے بندے کو محروم نہیں لوٹاتا کبھی تو اس کو وہی عطا فرما دیتا ہے جو دعا میں اس نے مانگا اور کبھی اس کی دعا کے عرض آخرت کی بیش بہا نعمتوں کا فیصلہ فرما دیتا ہے اور اس طرح اس کی یہ دعا اس کیلئے ذخیرہ آخرت بن جاتی ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اگر اس دعا کرنے والے بندے پر کوئی آفت اور مصیبت نازل ہونے والی ہوتی ہے تو اللہ اس کی اس دعا کے نتیجے میں آنے والی بلا اور مصیبت کو روک دیتا ہے بہرحال دعا رائیگاں نہیں جاتی اور دعا کرنے والا کبھی محروم نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ اپنے علم و حکمت سے بندے کو کسی نہ کسی صورت میں ضرور نوازتے ہیں۔

خدا کا خزانہ لا متناہی اور غیر فانی ہے اگر سارے بندے ہر وقت اس سے مانگیں اور وہ اس میں سے ہر ایک کیلئے الگ الگ عطا کرے تو اس کے خزانہ میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔ مستدرک حاکم میں حضرت جابرؓ سے ایک حدیث منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ جب اس بندے کو جس نے دنیا میں بہت سی دعائیں کی ہوں گی جو بظاہر قبول نہیں ہوئی ہوں گی ان دعاؤں کے بدلے میں جمع شدہ ذخیرہ آخرت میں عطا کرے گا تو بندے کی زبان سے نکلے گا ''اے کاش! میری کوئی دعا بھی دنیا میں قبول نہ ہوئی ہوتی اور مجھے ہر دعا کا پھل یہیں ملتا۔'' اللہ پاک سے دعا ہے کہ ہمیں استقامت اور صبر عطا فرمائے اور فوری دعا قبول نہ ہونے والے حالات میں شرکت اور کمزوری ایمان سے محفوظ رکھے۔ آمین

☆☆☆

طیبہ اکرام

## اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کیلئے

# دل کو بڑا کیجئے!

''اللہ کی راہ میں خرچ کی مثال ایسی ہے جیسے ایک دانہ بویا جائے تو اس سے سات بالیں نکلیں، ہر بال میں سو دانے''(القرآن)

یہ اور ایسی ہی آیات انفاق یا اللہ کی راہ میں خرچ کرنے پر اکساتی ہیں تو ہمارا ذہن ہمارے دل کو، ہر ماہ دی گئی مخصوص اعانت کی یاد دلا کر مطمئن کر دیتا ہے۔ وہ اعانت جو ہم ہر ماہ اپنی جیب خاص سے اللہ کے دین کی سربلندی کے لئے دیتے ہیں۔ وہ اعانت جس کا روز افزوں مہنگائی سے کوئی تعلق نہیں ہے، جو سالہا سال سے دی جا رہی ہے۔ وہی مخصوص رقم کہ جسے ہم اللہ کا حق سمجھ کر دیتے رہتے ہیں اور یہ سمجھ کر دل کو تسلی دیتے ہیں کہ لو، اپنا فرض ادا ہو گیا، حالانکہ عالمِ اسلام کے حوالے سے ذمہ داریاں اور پاکستان کی شرحِ مہنگائی بھی نظر میں ہے، اس پر درس بھی دیئے جاتے ہیں تقاریر بھی کی جاتی ہیں، عوام الناس کو ان بگڑتے حالات سے روشناس کرانے کی فکر بھی دامن گیر رہتی ہے، اپنے اطراف اجتماعی خودکشیوں پر کڑھتے بھی ہیں اور دکھ کا اظہار بھی کرتے ہیں لیکن اعانت .....وہی مخصوص رہتی ہے، لگی بندھی!

ایک اور رجحان جو بارہا دیکھنے میں آیا کہ اگر ہم فلاں ضرورتمند کی مدد کریں گے تو اسے ''عادت'' پڑ جائے گی اور وہ ہمیشہ کے لئے ہم سے امید لگا بیٹھے گا، اس عذر کی حمایت میں اہلِ علم، جانے علم کے سمندر سے کیا کیا موتی نکال لائیں گے، اپنے حق میں دلائل کے انبار بھی لگا سکتے ہیں اور یقیناً اس تقریری مقابلے کو جیت بھی لیں گے مگر..... میں سوچتی ہوں کہ میرا بچہ معمولی چوٹ بھی دکھائے تو میں دوا یا مرہم لگاتی ہوں کچھ نہ کر سکوں تو 'سہلا'' دیتی ہوں۔ تو جس امت کو میرے نبی پاک ﷺ نے امتِ واحدہ کہا، جسے ایک جسم سے تشبیہہ دی اس کے افراد، اپنے کسی فرد کے غم کو اپنا دکھ کیوں نہیں سمجھ سکتے؟ اس حسنِ ظن کے ساتھ مدد کیجئے کہ اللہ اسے غنی کر دے گا جو مجھے دے رہا ہے اسے بھی دے گا۔

دورانِ خون اگر رک جائے تو نیل بن جاتا ہے۔ یہ مال جو ہم آپ جیسے چند خاندانوں میں رک جائے گا تو بڑھے گا نہیں بلکہ ناسور بن جائے گا، اس معاشرے کا، جو ہر روز ایک خاندان کی اجتماعی خودکشی اُگل رہا ہے، اہلِ بصیرت ہی نہ جاگے تو یہ وبا میرے اور آپ جیسے دیندار گھرانوں کا رخ کر لے گی، خدا نہ کرے کہ ہم میں سے کوئی پنکھوں سے لٹکا ہو یا زہریلی دوائیں کھانے پر مجبور ہو، اس وقت سے قبل ہشیاری کا ثبوت دیں، اپنے دل کو بڑا کریں اور ہاتھوں کو کھولیں! ☆☆☆

# محشر خیال

ڈاکٹر شگفتہ نقوی۔آسٹریلیا

ایک طویل عرصے کے بعد ''بتول'' (اکتوبر) ملا، بہت خوشی ہوئی شکریہ سرورق غم کی داستان، آزمائش یا عذاب الٰہی ۔ اللہ ہمیں معاف فرمایئے ''ابتدا تیرے نام سے'' حقیقت لیکن خونچکاں اعمال بدلیں گے تو پھر حالات بدلیں گے۔''حج کی حکمتیں'' وقت کی ضرورت ہے۔لیکن حاجیوں کے ساتھ جو ہو رہا ہے نہ جانے اس میں حکومت وقت کی کونسی حکمت ہے۔

زکوٰۃ، ایک یاد دہانی، مجھے ہے حکم اذاں، ٹی وی سے بچنے کے طریقے تو سوچنے ہونگے، کیونکہ موجودہ دور تو میڈیا کی یلغار سے بچ نہیں سکا۔ہم تو چراغِ آخر شب ہیں لیکن نئی نسل کی تربیت پر منفی اثرات کا ذمہ دار کون ہے..... ماحول، والدین، اساتذہ یا میڈیا؟ لمحہ فکریہ ہے ۔ قانتہ رابعہ نے اچھوتے موضوع پر قلم اٹھایا ہے۔ہم بے معنی نام رکھتے ہیں اور پھر لاڈ پیار کے نام پہ انہیں بگاڑ دیتے ہیں۔اس کا اثر شخصیت پر پڑتا ہے بہت شکریہ قانتہ! خوش رہو اور لکھتی رہو۔ امِ ایمان کا ''زیور'' منادی کر رہا ہے کہ اب بیوٹی پارلر ہر طرح سے لوٹیں گے''پس آئینہ کوئی اور ہے'' خاتون نے گھر سے نکل کر اپنی ذمہ داریوں میں اضافہ ہی کیا ہے اس سے اچھا ہے کہ قناعت سے بسر ہو تو یہ وقت بچوں کے ساتھ بطور خاندان گزارے عظمیٰ عمران کی ماسی صغراں کو اگر اس پرچے کے افسانوں میں درج سب سے عظیم کردار کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ایمانداری رزق حلال اور صلہ رحمی ''لگن'' کا پیغام ہے اتنا اچھا افسانہ لکھنے پر مبارکباد قبول فرمائیں ۔''ایک حقیقت ایک افسانہ'' (حمیرا خالد) ہم جتنی چھان پھٹک بہو تلاش کرنے میں کرتے ہیں اس لگن سے عبادت تو نہیں کرتے خاتون نوکری کرے یا بچے سنبھال لے.....

''پنجرے میں بسیرا'' (منشا یاد) پروردگار انہیں غریق رحمت کرے اعلیٰ پائے کے ادیب اور ڈرامہ نگار جو ہم سے جدا ہو گئے میرا رب ان کی مغفرت فرمائے آمین ۔ یہ تو سچی کہانی لگتی ہے۔اس پر کیا تبصرہ کروں یہی کچھ تو ہو رہا ہے۔ انشاءاللہ یہ رات طویل نہیں اسکی سحر ضرور ہوگی۔

اپنے والدین کی زندگی میں ان کی خدمت و اطاعت اور مرنے کے بعد ان کی نیکیوں کا ذکر اولاد کی سعادت ہے۔ اور ایسے ماں باپ تو موجودہ دور کے نوجوان والدین کیلئے چراغ راہ بھی ہیں۔ڈاکٹر ثمین ذکا کی ''داستان عطاء و بخشش'' پڑھی یوں لگا جیسے ہم بھی کبھی اس راہ سے گزرتے تھے..... میرا رب جب کسی بندے پر آزمائش بھیجتا ہے تو اس کا ہاتھ بھی تھام لیتا ہے۔آپکے حوصلے ،صبر، دعاؤں، خدمت اور یقین کو سلام ہے۔

ذ کیہ فرحت کی محبت ، حلاوت ، احترام ، اشتیاق میں ڈوبی ہوئی تحریر...... روح جھوم اٹھی ...... جسکا بلاوا ہو وہی جا سکتا ہے ۔ساجدہ رفیق کی تحریر دعا، عظیم ہیں وہ لوگ جن کے ہاتھ دعا کیلئے اٹھتے ہیں دعا عبادت کا مغز ہے ۔

عورت یا ماں ، بانو آپا کی یاد نے آبدیدہ کر دیا، جانے اب کب ملاقات ہو بہت ہی گہری اور معنی خیز بات لکھی ہے۔ جہاد افغانستان کے دس سال معلومات افزا مضمون ہے ادارہ مبارکباد کا مستحق ہے کہ نامساعد حالات اور مخالف ہواؤں میں چراغ جلائے ہوئے ہے اللہ سب لکھنے والوں اور تمام مسلمانوں کو سلامت رکھے اور ہمارے دلوں کو الفت سے جوڑ دے ۔آمین

☆☆☆

# کچن کارنر

رائل چکن روسٹ

اجزا: مرغی ایک عدد 1½ کلو ، ادرک لہسن پیسٹ 1½ کھانے کا چمچ ، لیموں کا رس ایک کھانے کا چمچ، مکھن دو کھانے کے چمچ ، وارسٹر سوس ایک کھانے کا چمچ ، چائنیز نمک ایک چائے کا چمچ ، پسی ہوئی رائی ایک چائے کا چمچ ، کیچپ دو کھانے کے چمچ ، کالی مرچ 1½ چائے کا چمچ نمک ایک چائے کا چمچ ، گھی حسب ضرورت ۔

ترکیب: تمام اشیا کو اچھی طرح مکس کر لیں مرغی پر چھری سے کٹ لگا کر اس پر مکس مصالحوں کا لیپ کر کے دو گھنٹے کیلئے رکھ دیں ۔ گھی گرم کریں اور اس میں مرغی ڈال کر پکائیں ۔ تیار ہونے پر سلاد کے ساتھ سرو کریں ۔

اسپائسی پنیر رول

اجزا: پنیر 250 گرام ( کدو کش کر لیں )، آلو 250 گرام ( ابال لیں ) ہری مرچ چار عدد ، ہرا دھنیا ایک چوتھائی گڈی ، چاٹ مصالحہ ایک کھانے کا چمچ ، کشمش ایک چائے کا چمچ ، نمک ایک چائے کا چمچ ، گرم مصالحہ ایک چوتھائی چائے کا چمچ ، بریڈ کریم ایک کپ ، انڈہ ایک عدد ، ڈبل روٹی کا چورہ حسب ضرورت ۔

ترکیب: آلو ابال کر پنیر اور تمام مصالحہ ملا کر رول بنا لیں ۔ پھر انڈہ ، میدہ اور بریڈ کریم میں لپیٹ کر ہلکی آنچ پر گھی میں تلیں ( زیادہ نہ پکائیں کیونکہ آلو ابلے ہوئے ہیں ) ۔

چکن رول

اجزا: چکن کا قیمہ 250 گرام ، آئل دو کھانے کے چمچ ، پیاز ایک عدد باریک کٹی ہوئی ، کالی مرچ ایک چائے کا چمچ ، نمک ایک چائے کا چمچ ، مسٹرڈ پاؤڈر ایک چائے کا چمچ ، اوسٹر سوس ایک کھانے کا چمچ ، سرکہ دو کھانے کے چمچ ، ادرک لہسن پیسٹ ایک کھانے کا چمچ ، ہرا دھنیا دو کھانے کے چمچ ( باریک کٹا ہوا ) ہری مرچ 4 عدد باریک کٹی ہوئی ، پودینہ کے پتے دو کھانے کے چمچ ، پسا ہوا گرم مصالحہ ½ چائے کا چمچ ۔

رول بنانے کے لئے اجزا:

میدہ ½ کپ ، نمک ½ چائے کا چمچ ، انڈے 2 عدد ، پانی ایک کپ ،

ترکیب: فلنگ کیلئے: ایک فرائنگ پین میں قیمہ ابال لیں ۔ جب قیمہ ابل جائیتو پانی خشک ہونے دیں ۔ پھر فرائی پانی میں تیل ڈال کر اس میں پیاز کو ہلکا براؤن کریں ۔ پھر اس میں ادرک لہسن کا پیسٹ ڈال کر بھونیں 2 منٹ کے بعد قیمہ شامل کر کے اچھی طرح بھون لیں ۔ ساتھ ہی اس میں اوسٹر ساس ، سرکہ ، نمک ، کالی مرچ ، گرم مصالحہ ، مسٹرڈ پاؤڈر ، ڈال کر اچھی طرح بھون لیں ۔ آخر میں ہرا دھنیا ہری مرچیں اور پودینے کے پتے شامل کریں ۔

## گاجر کا حلوہ

اجزا: گاجریں 500 گرام ، دودھ ایک کپ ، کھویا ½ کپ کیوڑہ چند قطرے، چینی 4 کھانے کے چمچ ،مکھن 6 چمچ کھانے کے

ترکیب: کڑاہی میں مکھن ،چینی اور دودھ کو مکس کر کے گرم کریں اور چوپ کی ہوئی گاجریں اس میں ڈال کر بیس منٹ تک خوب بھونیں کچھ دیر کے بعد گھی علیحدہ نظر آنے لگے گا۔گاجروں کو چولہے سے اتار لیں حلوہ تیار ہے۔اس کے اوپر کھوئے کو پھیلا دیں اور کھانے کیلئے پیش کریں

نوٹ: مکھن کی بجائے تازہ ملائی دو کپ بھی ڈالی جا سکتی ہے

☆☆☆